73094
657

جملہ حقوق محفوظ

سلاطین و قائدین اسلام

عہد حاضر میں

مصنفہ

یوسف احمد بغدادی (عراق)

حال مقیم۔ کشمیر منشن نمبر ۲۵ ر دیلسلی اسٹریٹ۔ کلکتہ

سنہ ۱۹۳۶ء

طبع دوم ۲۰۰۰ قیمت ایک روپیہ

ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی
جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو
ہدیہ کیا گیا۔

فہرست مضامین

اس فہرست میں ہر ملک کے جغرافیائی اور تاریخی حالات ہر ملک کا رقبہ مردم شماری بادشاہ کی پیدائش و تربیت و سیرت نظام حکومت اور تاریخی حالات جنگ عظیم سے لے کر آج تک درج ہیں۔

136059

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ		
۱	دیباچہ	ا	سے	ج تک
۲	مملکت عراق - جغرافیائی اور تاریخی معلومات	۱	سے	۸ تک
۳	مملکت نجد ... ... ″ ″	۸	سے	۱۴ تک
۴	مملکت یمن ... ... ″ ″	۱۴	سے	۱۹ تک
۵	مملکت مصر ... ... ″ ″	۲۰	سے	۲۲ تک
۶	مملکت ٹرکی ... ... ″ ″	۲۳	سے	۳۵ تک
۷	مملکت ایران ... ... ″ ″	۳۵	سے	۳۹ تک
۸	مملکت افغانستان ... ... ″ ″	۳۹	سے	۴۸ تک
۹	جمہوریہ سوریہ ... ... ″ ″	۴۸	سے	۵۳ تک
۱۰	شرق الاردن ... ... ″ ″	۵۴	سے	۵۶ تک
۱۱	حیدرآباد دکن ... ″	۵۶	سے	۵۹ تک
۱۲	البانیہ ... ″	۵۹	سے	۶۴ تک
۱۳	مغرب الاقصیٰ ... ″	۵۴	سے	۶۷ تک
۱۴	ٹیونس ...	۶۸	سے	۷۰ تک
۱۵	لحج ... ″	۷۰	سے	۷۴ تک
۱۶	حضرموت ... ″	۷۴	سے	۷۷ تک
۱۷	مسقط ... ... ″ ″	۷۷	سے	۸۳ تک
۱۸	کویت ... ... ″ ″	۸۳	سے	۸۷ تک
۱۹	بحرین ... ... ″ ″	۸۷	سے	۹۱ تک
۲۰	ریاست بہاولپور ... ... ″ ″	۹۱	سے	۹۷ تک

تو مورّخوں نے قوم کے طریقوں کا، اخلاق کا، حالات کا، رسم و رواج روایات کا، قوانین کا بیان شروع کیا اور بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے تاریخ کے صفحات میں گنجائش کم ہوگئی۔

پیش نظر کتاب میں یہ سب چیزیں ملیں گی اور اُن ممتاز اشخاص کے حالات نظر آئیں گے جنکی عظمت صرف بادشاہی فرمانروائی سے نہیں ہے، بلکہ اپنے ذاتی غیر فانی کارناموں سے ہے۔

بلاشبہ قوموں ہی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، اور اُن کے حالات اور طریقوں پر بحث ہی قابل توجہ ہے، تاہم ممتاز افراد، عام اس سے کہ حکمراں ہوں یا رعایا، ہنوز مصنفوں اور مولفوں کی نظریں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اِن افراد کو امتیاز اس لئے حاصل نہیں ہوا کہ انہیں قدیم زمانے کی وہمی روایات نے یا بے معنی دعاوی نے اونچا کیا ہے، بلکہ یہ اپنے جلیل القدر سیاسی اجتماعی کارناموں کی وجہ سے ممتاز و بلند ہوگئے ہیں۔ بنابریں اگر کسی خاص بادشاہ کو اہمیت دی جاتی ہے تو محض اس وجہ سے کہ وہ اپنے عمل سے سربرآوردہ ہوگیا

اُمید ہے یہ چھوٹی سی کتاب قارئین کو بہت فائدہ پہنچائے گی، اور میں بہ مسرت پبلک کے حسنِ ذوق کا اعتراف کرتا ہوں کہ اِس کتاب کا پہلا ایڈیشن چھ ماہ سے کم مدت ہی میں ختم ہوگیا اور یہ اُس کا دوسرا ایڈیشن ہے۔

کتاب میں انیس ۱۹ اسلامی سلطنتوں اور ریاستوں کے تاریخی حالات درج کئے ہیں۔ ان میں سے تین افریقہ میں ہیں۔ مصر، ٹیونس اور مغرب اقصیٰ۔ جو ایشیا میں ہیں، ٹرکی، عراق، شام، شرق الاردن، مملکت عربیہ سعودیہ،

حضرموت، حیدرآباد بہاولپور (ہندوستان) افغانستان، ایران، کویت، بحرین، مسقط اور ایک یورپ میں ہے یعنی البانیا۔

ہم نے ہر حکومت کے سیاسی نظام، اجتماعی طور، اور بین الاقوامی حیثیت کو دکھایا ہے۔ ہر بادشاہ یا حکمراں کے حالات زندگی لکھے ہیں، جن میں سے اکثر اپنی حکومت کے خود موجد و بانی ہیں۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ ہر بات ٹھیک ہو۔ مبالغہ اور طول کلام سے پرہیز کیا ہے۔ صرف مغز کو لیا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ اگر انھیں کتاب میں کوئی فروگزاشت نظر آئے تو ہمیں مطلع کر دیں تاکہ آیندہ ایڈیشن میں شکریہ کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جائے وباللہ التوفیق۔

یوسف احمد بغدادی

مملکتِ عراق

جغرافیائی اور تاریخی حالات

عراق، ملک عرب کا ایک خطہ ہے۔ جو حکومت عثمانیہ کے اقتدار سے جنگ عظیم کے بعد علیحدہ ہو گیا۔ اور اپنی متمدن عربی حکومت قائم کی جس کا اعتراف تمام متمدن دول نے کیا۔

یہ ملک خلافت عباسیہ کے عہد میں، اسلامی تاریخ کے اعتبار سے زیادہ مم[illegible] تھا۔ پایۂ تخت بغداد تھا۔ جو ان دنوں علماء، حکما، ادبا اور شعرا کا مرکز سمجھا جا[تا] تھا۔ موجودہ دور میں بھی مٹی کے تیل کے چشموں کے باعث، جو شمالی جانب وا[قع] ہیں۔ اور بلحاظ سرسبزی و شادابی، آب و ہوا، اور زراعت کے بہتات [کے] باعث، دنیا کے اعلیٰ اور ممتاز ملکوں میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ اغلب ہے کہ [عن]قریب میں منازل ترقی طے کرتا ہوا، معراج کمال پر پہنچ جائے۔

ملک کا رقبہ ۱۴۲۲۵۰ مربع میل ہے۔ بری حد کا طول ۲۰۰۰ میل [illegible] بحری طوالت ۵۰ میل ہے۔ پایۂ تخت بغداد ہے۔ موصل، بصرہ، کربلائے [معلیٰ]، نجفِ اشرف، کرکوک، سلیمانیہ، حلہ، ناصریہ، عمارہ، بعقوبہ، سامرا [illegible]

مملكة عراق

جلالة الملك عراق غازي الاول

ت الامارہ، اور رمادی مشہور شہر ہیں۔
سنہ ۱۹۲۰ء کی مردم شماری کی رو سے ۲۸۴۹۲۸۲ نفوس کی آبادی ہے۔ جن میں ۸۷۴۴۸ یہودی ۷۸۷۹۲ عیسائی، اور باقی سب عرب مسلمان ہیں۔
حدود اربعہ۔ جانب شمال ٹرکی، جانبِ غرب، شام نجد اور شرق اردن، جانبِ جنوب نجد اور ایران، اور جانبِ شرق ایران واقع ہوا ہے۔
یہاں کا نظام حکومت، دستوری، اور نیابی ہے۔ جو ایک بادشاہ کے ماتحت ہے۔ سپاہ کی تعداد ایک لاکھ سے زاید ہے۔ فوجی خدمات ہر بالغ کے لئے جبری ہیں۔ بادشاہِ وقت ملک غازی ہیں جو ملک فیصل اوّل بن حسین الہاشمی کے فرزند ہیں ان کی تصویر زینت کتاب ہے۔

ملک عراق غازی اوّل کی پیدائش و تربیت

مارچ سنہ ۱۹۱۲ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ والد مرحوم و مغفور محمد علی ادریسی کی باغی سپاہ میں، جو کہ سلطنت عثمانیہ کے عسیر کے علاقہ میں علم بغاوت بلند کرنے کو ترتیب دی گئی تھی۔ قائد تھے اور اس غزوہ کے معرکہ کو سر کرنے کیلئے غازی کے لقب سے معنون ہوئے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب والدین کے طرف سے آنحضرت صلعم تک پہنچتا ہے۔
شیخ یٰسین لبیونی، جو ملک حسین کے خاص امام تھے۔ محل کے اندر قرآنِ حکیم اور عربی پڑھنے لکھنے کی تعلیم دی۔ پھر سید حسن علوی نے عربی صرف و نحو اور مذہبی تعلیم دی۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں اپنے چچا ملک عبداللہ (جو شرق اردن کے بادشاہ ہیں) کے ہمراہ اپنے والد کے پاس بغداد آگئے۔ یہاں انگریزی تعلیم و تربیت کے لئے ایک خاتون مسز فلبی

مقرر ہوئیں۔ جو ان کی ہر حالت میں نگراں رہیں۔ اپریل ۱۹۲۶ء کو حسین قدر ایک عراقی افسر کے ہمراہ حصول تعلیم کے لئے انگلستان روانہ ہوئے۔ وہاں ایک کالج میں داخل ہوئے۔ تقریباً اڑھائی سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد اکتوبر ۱۹۲۸ء کو واپس بغداد آکر حربیہ کالج میں داخل ہو گئے۔ والد مرحوم نے حربیہ کالج کے پرنسپل کو خصوصیت سے ہدایات روانہ کیں۔ کہ میرے لڑکے اور دیگر طلبا میں کوئی امتیازی حیثیت نہ سمجھی جاوے۔ کالج کے ہوسٹل میں، اندرونی حالت جب کسی کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تو ان کے پلنگ کے پاس نمایاں طور پر، صرف یہ لیبل مشاہدہ میں آیا جس پر یہ تحریر تھا۔ "شریف غازی ابن فیصل"، اور تمام بود و باش دیگر طلبا کے ہمراہ مساویانہ طریقہ پر رہی۔ اور امارت یا حکومت کے جلال کا کوئی مظاہرہ ملحوظ نہ تھا۔

جولائی ۱۹۳۲ء کو عراق کے حربیہ کالج سے لفٹننٹ کی سند حاصل کر کے کالج کو خیرباد کہا۔ اور کالج کی زندگی کے، دیگر طلبا پر اپنے اخلاق اور حسن سلوک کے نہ مٹنے والے تاثرات چھوڑے۔ اور قیام کالج کے دوران میں فوجی پریڈ اپنی وردی اور بستره وغیرہ کی دیکھ بھال روزمرہ خود کیا کرتے تھے۔

فوجی تعلیم سے فراغت پر والد مرحوم نے اپنے شاہی امدادی محکمہ میں شامل کر کے عملی طور پر کام کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ اس محکمہ میں شریک ہو کر دوسرے اسٹاف کے ساتھ کام کرتے رہے۔ عید یا کسی اور تقریب پر اس محکمہ کے جملہ افسر بادشاہ کے پاس سلام وغیرہ کو جاتے۔ تو یہ اپنے فوجی اعزاز کے لحاظ سے سب سے پیچھے رہتے۔ اور شاہی دعوتوں میں اپنے والد کے بلانے پر شریک ہوتے اور مجلس گفتگو کو نہایت غور و خوض اور دلچسپی سے سنتے رہتے۔

۵- جنوری ۱۹۳۳ء کو ان کے والد مرحوم شہنشاہ جارج پنجم کی دعوت پر انگلستان تشریف لے گئے۔ اور ان کو اپنے تاج و تخت کا قائم مقام مقرر کیا۔ انہوں نے دستوری قانون کے مطابق مجلس جمہوریہ کے سامنے باقاعدہ حلف اُٹھایا۔
۶- ستمبر ۱۹۳۳ء کو ان کے والد برن مُلک سوئیٹزرلینڈ کو گئے۔ اور ان کو دوبارہ اپنا قائم مقام بنا گئے۔ اسی دوران میں والد کا وہاں انتقال ہوگیا۔ اِس لئے ۱۸ جمادی الاوّل ۱۳۵۲ھ کو مستقل طور پر یہ تاج و تخت عراق کے مالک ہوگئے یقین ہے کہ یہ ہونہار فرماں روا اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلکر بہترین خلف ثابت ہوگا۔
۸- مارچ ۱۹۲۰ء کو اِن کے والد مرحوم کے دستِ مبارک پر اہل سُوریہ و فلسطین نے بھی بیعت کی تھی۔ اس لئے اصولاً و قانوناً وہ بیعت بھی ان کی بادشاہت ورانت میں آگئی۔ نیز عملی طور پر بھی اُن ممالک کے باشندوں نے بذریعہ تحریر ان سے مزید بیعت کرلی۔ اور ملک عرب کا فرماں روا تسلیم کرتے ہوئے مَلک العرب کا لقب دیا۔

عراق کے تاریخی حالات

جنگ عظیم کے اختتام تک عراق، ترکوں کی حکومت کے ماتحت رہا۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اور ترک بھی جرمن کے ساتھ ملکر محاربۂ عظیم میں شامل ہوگئے۔ تو حکومت برطانیہ نے موقعہ غنیمت جان کر اپنی توجہ عراق حاصل کرنے کی طرف مبذول کی۔ کیونکہ عراق کا مُلک تیل کے چشموں، زرخیزی و شادابی، اور قدرتی خزائن سے لبریز ہونے کے باعث زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ چنانچہ ترکوں کی شراکت جنگ کے دوسرے دن ہی انگریزوں نے ایک فوجی بحری و بری لشکر منظم کرکے عراق کی طرف روانہ کردیا۔ اور اس لشکر نے بصرہ پر بغیر جنگ و جدل کے قبضہ جما لیا۔ اور جنگی جہاز سمندر میں اپنی

مدافعت کے لئے آراستہ کردیئے۔ جب ترکوں کو علم ہو۔ تو انہوں نے اپنی ترکی و عراقی سپاہ سے آراستہ ہوکر نہایت شجاعانہ زور سے انگریزی افواج کا مقابلہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی سپاہ تاب مقابلہ نہ لاکر اپنے عساکر کوت الاَمارہ میں محصور کردینے پر مجبور ہوگئی۔ اور جب اپنی نجات کی کوئی صورت نہ دیکھی۔ تو مجبور ہوکر اپنے آپ کو ترکوں کے سامنے بطور سیاسی اسیر پیش کردیا۔ اور ہتھیار ڈالدیئے ترکوں نے سب لشکر کو معہ ان کے کمانڈر کے بطور اسیر استنبول روانہ کردیا۔ انگریزوں نے اس معرکہ سے متاثر ہوکر بڑے بڑے جنگی جہاز اور ہندوستانی و انگریزی سپاہ لاکھوں کی تعداد میں کوت الاَمارہ کے محاذ پر روانہ کی۔ لیکن اس وقت ترکوں کی جنگی طاقت اس قابل نہ تھی۔ کہ سامان حرب سے آراستہ ہوکر مخالف قوت کا مقابلہ کرسکتی۔ ترکوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۹۔ مارچ ۱۹۱۷ء کو انگریز عراق بغداد پر قابض ہوگئے۔ پھر انگریزی افواج نے موصل کی طرف اپنا جارحانہ اقدام شروع کیا۔ جب یہ مقام شرقاط تک پہنچے تو موصل سے ۱۳۵ میل دور رہے ہے۔ تو جنگ عظیم کے اختتام کے لئے سلسلہ صلح شروع ہوگیا۔

۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جب انگریزی کمانڈر مسمیٰ مونڈروس نے ترکوں کے ساتھ صلحنامہ مرتب کیا۔ تو اس کی ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ "حکومت برطانیہ کو حق حاصل ہوگا کہ ہر ترکی شہر میں جہاں وہ آنا جانا چاہیں آزادانہ آمدورفت کا اقدام کرسکیں"۔ اس شرط سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے، انگریز بغیر جنگ جدل کے موصل پر قابض ہوگئے۔

اہل عراق نے ترکوں سے علیحدہ ہوکر، انگریزوں کے زیر اثر رہنا بھی گوا

نہ کیا۔ اس ہیجان کا یہ اثر ہوا کہ ملک میں چند ایک انجمنیں قائم ہوگئیں۔ جن میں تمام رؤسا، علماء، فضلا، اور دیگر محب وطن شامل ہو گئے۔ اور ملکی مفاد کے لئے خفیہ طور پر بحث وتمحیص ہونے لگیں اور طے پایا کہ انگریزوں سے اپنے اپنے مطالبات کا آزادانہ اظہار کرکے ملکی اقتدار خود حاصل کیا جاوے۔ درپردہ بھی سامان حرب سے منظم ہوتے رہے۔ تاکہ وقت پر علم بغاوت بلند کر دیا جاوے۔

انگریزوں نے جب عراقیوں کے مطالبات کو پسند نہ کیا۔ تو ۳۰۔جون ۱۹۲۰ء کو تمام محبان وطن نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور وہاں کے قبائل نے جو نہر فرات پر آباد ہیں۔ بغاوت کی ابتدا کی رفتہ رفتہ تمام ملک میں یہ اثر زور وشور سے پھیل گیا۔ اور انگریزوں کو یقین ہو گیا کہ عراقیوں کا جزبۂ حب الوطنی بالکل مبنی پر صداقت ہے۔ چنانچہ ان حالات سے متاثر ہوکر لنڈن کے مشہور اخبار ٹائمز آف لنڈن نے شورش عراق کے متعلق اپنے افتتاحیہ میں یوں اظہار کیا۔

"اہل عراق کے حقوق تسلیم کر لینے چاہئیں۔ کیونکہ اُنکی حُب الوطنی میں کوئی کلام نہیں ہے۔ سرزمین عراق سلاطین کو اپنی خاک میں چھپائے ہوئے ہے لہٰذا ہم یہ نہیں چاہتے کہ برطانیہ کا بھی وہی حشر ہو"

الغرض لڑائی شروع ہو گئی۔ اور پانچ ماہ متواتر برطانیہ اور عراق کی معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جانبین میں مصالحت طے پا کر ایک معاہدہ مرتب ہوا۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس لڑائی میں ۱۰۰۰۰ عرب مارے گئے۔ اور برطانوی سپاہ کا نقصان ان سے دس گنا زیادہ ہوا۔

حکومت برطانیہ کے وزیر مستعمرات مسٹر چرچل ۱۹۲۱ء کو مدبرین برطانیہ

کی رائے سے مصر آئے۔ اور عراقی وفدان کے ایما سے مصر پہنچا۔ بہت بحث و تحیص کے بعد یہ طے پایا کہ عراق کے لئے ایک حکومت وطنی قائم ہو۔ اور حکومت کے رئیس جلالۃ الملک فیصل ہوں۔ یہ تجویز منظور کر لی گئی۔ ملک فیصل اسوقت اٹلی میں تھے۔ ان کو اس تجویز سے مطلع کرتے ہوئے، حکومت عراق پیش کی گئی تو انہوں نے دو شرائط پر عراق کی بادشاہت قبول کرنی منظور کی۔ اوّل یہ، کہ عراق کی حکومت خود مختار ہوگی۔ دوم یہ کہ انگریزوں نے جو قوانین رائج کر رکھے ہیں وہ ایک قلم منسوخ کر دیئے جائیں۔ چنانچہ انگریزوں نے یہ دو شرائط بھی منظور کر لیں۔ پھر ملک فیصل اٹلی سے بغداد آئے۔ اور ۱۱۔ جون ۱۹۲۱ء کو ملکی اراکین کی ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ اور اس مجلس نے ملک فیصل کو حکومتِ عراق کا تاج و تخت پیش کیا۔ اہل ملک کی ۹۶ فیصدی آرا ملک ممدوح کے حق میں تھیں۔ چنانچہ ۲۳۔ اگست ۱۹۲۱ء کو باقاعدہ طور پر نہایت تزک و احتشام سے رسم تاجپوشی ادا ہوئی۔ اور ملک فیصل پادشاہ عراق ہوئے۔

۱۳۔ نومبر ۱۹۲۶ء کو حکومت برطانیہ نے معاہدہ کی اُن دو شرائط کو منسوخ کر دیا۔ جو ابتداءً ملک فیصل کے ساتھ اٹلی کے قیام میں منظور ہو چکی تھیں۔ اہل عراق کے اس حکم کے خلاف بزور احتجاج کیا۔ جسکا اثر یہ ہوا کہ انگریزوں نے دوبارہ ان شرائط کی بحالی کا اعلان کیا۔ چنانچہ اس معاہدہ کی رُو سے حکومت عراق عملی طور پر جمعیۃ الاقوام جنیوا میں ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو خود مختارانہ حکومت کے لحاظ سے شامل کر لی گئی۔ اور جمعیۃ الاقوام کے معتمد نے متذکرہ تاریخ کو سرکاری طور پر اعلان کیا کہ "جمعیۃ الاقوام میں دنیا کی باون آزاد

حکومتوں کی شرکت ہے۔ اب ایک نئی آزاد حکومتِ عراق ہم میں شامل ہوکر ہماری تعداد میں اضافہ کرتی ہے۔ چنانچہ اس کی شرکت سے جمعیۃ الاقوام کی خود مختار حکومتوں کی تعداد ترپن ہوگئی ہے۔"

مملکتِ نجد

جغرافیائی اور تاریخی حالات

نجد کا علاقہ مُلکِ عرب میں سب سے زیادہ طویل وعریض ہے۔ آبادی سب سے کم ہے۔ اور جزیرہ کے مرکز میں واقع ہے۔ خلیج فارس سے لیکر بحر احمر تک، اور دمشق کی سرحد سے یمن تک پھیلا ہوا ہے۔

سرکاری طور پر مردم شماری کے کوئی اعداد نہیں ہے۔ آبادی کے متعلق قیاس آرائیاں ہیں بعض کہتے ہیں کہ پانچ ملین ہے۔ اور کچھ اس سے کم خیال کرتے ہیں۔ بعض مبالغہ کرتے ہوئے آٹھ ملین کا اندازہ لگائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح مساحت کا بھی کوئی صحیح معیار نہیں ہے اندازہ کیا جاتا ہے کہ چھ لاکھ مربع میل ہے۔ اس رقبہ میں مختلف خطے اور صوبے ہیں۔ جنکے مشہور شہر یہ ہیں۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ، طائف، ینبع حجاز میں واقع ہیں۔ ابہا، محایل، حسا، جیزان، ربی، طریش عسیر میں ریاض، حایل، قطیف، جبل، عینزہ، بریدہ، نجد میں واقع ہوئے ہیں۔ یہ سب ریاستیں ۲۱۔ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ کو ایک اجتماعی مملکت کے اقتدار میں اگئی ہیں۔ جسکا نام مملکت عربیہ سعودیہ ہے۔ یہاں کے باشندے مسلمان

عرب ہیں۔ اہل نجد، امام احمد بن حنبل کے پیرو ہیں۔ اور اہل حجاز بیشتر امام شافعی کے پیرو ہیں۔ یہاں اہل یورپ کا عنصر نہیں ہے۔ صرف جدہ میں تقریباً ساٹھ آدمی رہتے ہیں۔ نجد کے علاقہ احسار میں شیعہ بھی بستے ہیں۔

اس ملک میں احکام شرعی کی بناپر اسلامی حکومت ہوتی ہے۔ اور عدالتیں شرع کے قوانین کے ماتحت سزائیں دیتی ہیں۔ مثلاً چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ زانی کو دُرّے لگائے جاتے ہیں۔ اور قاتل کو قتل کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔ امام حدودِ شرعی جاری کرتا ہے۔ یہاں سرکاری کمیٹیاں ترتیب دی ہوئی ہیں۔ جو اوقات نماز کے وقت بازاروں میں گشت لگاتی ہیں۔ اور مسلمانوں کو نماز وقت پر ادا کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔

مملکت کی سرکاری آمدن کا انحصار، زیادہ تر زراعت پر ہے۔ اکثر لوگ تجارت پیشہ بھی ہیں۔ حجاز موجودہ تمدن کے، حالات سے بھی ناآشنا نہیں ہے۔ کوئی باقاعدہ فوجی نظم ونسق نہیں ہے۔ ضرورت کے وقت تمام بالغ افراد ہتھیار وغیرہ سے آراستہ ہوکر ملکی خدمات کے لئے سربکف ہو جاتے ہیں بعض باشندوں پر ابھی تک بدویت غالب ہے۔

مملکت سعودیہ کے مغربی جانب بحراحمر، مشرق کی طرف خلیج فارس، جنوب میں یمن، اور شمال میں عراق، کویت، اور شرق اردن واقع ہوئے ہیں۔ اس مملکتِ سعودیہ کے بانی ملک عبدالعزیز آل سعود ہیں۔ قدیم پایۂ تحت ریاض (جو کہ نجد میں واقع ہے) تھا۔ اور جدید دارالحکومت مکہ مکرمہ ہے۔ شاہ نجد کی تصویر زینت کتاب ہے

ملک عبدالعزیز آل سعود کی پیدائش و تربیت	۲۰۔ ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ مطابق

مملكة العربيــه السعود يه

جلالة الملك عبــد العـــزيز آل سعود

دسمبر ۱۸۸۰ء کو شہر ریاض میں اپنے والد امیر عبدالرحمٰن الفیصل السعود کے قصر میں پیدا ہوئے۔ والد نے دیگر بھائیوں کے ساتھ ان کی تعلیم کا بھی بندوبست کیا۔ ابتداءً پڑھنا لکھنا، اور قرآن کریم کی تلاوت سیکھی تلوار و بندوق چلانا، اور شہسواری کی مشق کی۔ غرضیکہ اس زمانہ میں جیسے امرا کے لڑکے ہوتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی سن رشد و بلوغ کو پہنچے یہ صرف سطحی طور پر پڑھنا لکھنا سیکھتے تھے۔ اور باقی علوم و فنون کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔

ان کی بلوغت کے زمانہ میں حکومت ریاض، حائل میں آلِ رشید سے مصروف جنگ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آلِ رشید حکومت ریاض پر غالب ہو گئی۔ اور ان کے والد کو مع متعلقین ریاض چھوڑ کر کویت جانا پڑا۔ یہ بھی اپنے خاندان کے ساتھ ہی تھے چنانچہ ۱۸۹۲ء کو یہ سب خاندان حاکم کویت شیخ مبارک الصباح کا مہمان ہوا۔

جب یہ کویت میں تھے۔ تو حاکم کویت اور عبدالعزیز الرشید حاکم حائل کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ ان کے والد امیر عبدالرحمٰن اور انہوں نے اپنے میزبان کا ساتھ دیا۔ تاکہ دشمن سے انتقام لیا جا سکے۔ عبدالعزیز نے (اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی) ایک فوج کی قیادت کی۔ آخر ان کو شکست ہوئی شیخ مبارک حاکم کویت کو بھی اس معرکہ میں سنہ ۱۹۰۱ء کو شکست ہوئی جس کی وجہ سے ان کو سخت مصیبتوں کا سامنا ہوا۔ اس ابتلا میں امیر عبدالرحمٰن اور ان کے لڑکے بھی شریک تھے۔

اس بدامنی و معرکہ آرائی کے دوران میں عبدالعزیز نے اپنی شجاعت، بہادری اور عقلمندی کے وہ جوہر دکھلائے کہ آل سعود دوبارہ نجد پر فاتحانہ اقدام سے قابض ہو گئے۔ اور دیگر تمام صوبوں کو بھی فتح کر کے ایک نئی حکومت کی بنیاد قائم کی۔

اور عبدالعزالرشید کو قتل کر دینے کے بعد، مُلک نجد کا رئیس بن گیا۔

ابن سعود نے ریاض فتح کر چکنے کے بعد جب اپنی قوت کو زیادہ مضبوط دیکھا تو تدریجاً نجد کے تمام صوبوں پر اپنا تسلط جما لیا۔ بالآخر احسار کا صوبہ، جو نجد کے ساحلی حدود پر خلیج فارس میں واقع ہے۔ فتح کر لیا۔

جب ابن الرشید اور ابن سعود کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ تو حکومتِ عثمانیہ نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے، احسار پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ اور جب ابن سعود نے قبضہ کر لیا تو حکومت عثمانیہ نے مدافعت کرنی خلاف مصلحت سمجھی۔ اور ۱۹۱۳ء کو صلح کرتے ہوئے اسی صوبہ کا والی قرار دے کر پاشا کے خطاب سے نوازا۔ اور عملی طور پر بھی اس صوبہ کو ابن سعود کے زیر اقتدار ہونے کا اعتراف کر لیا۔

۱۹۲۰ء کو جب حایل سے حکومت عثمانیہ کا اقتدار اُٹھ گیا۔ تو ابن سعود نے اسکا محاصرہ کر لیا۔ اور پھر قبضہ جما کر دیگر صوبوں کی طرح اسے بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی سال میں ملک الحسین نے شرقی حجاز پر حملہ کر دیا۔ اس فوج کا کمانڈر امیر عبداللہ تھا۔ اس حملہ کا مقصد یہ تھا کہ قبائل طرمۃ و خرمۃ جو کہ ابن سعود کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ سرکوبی کی جاوے۔ اور یہ بھی مقصود تھا۔ کہ ابن سعود کو ریاض کے مرکز سے ہٹا کر اس ملک کو بھی حجاز کے ساتھ ملا لیا جاوے مگر نجدیوں نے وہ مقابلہ کیا کہ ہاشمی حکومت ان کے سامنے سر نہ اٹھا سکی۔

۱۹۲۱ء کو شریف حسین نے دوسری تدبیر ابن سعود کے برخلاف چلانی چاہی اور وہ یہ تھی کہ چند آدمی عسیر کی طرف روانہ کئے۔ تاکہ قبیلہ آل عایض کے امرا کو ان رئیس ادریسی کے برخلاف بغاوت پر آمادہ کریں۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہو گئی

اور امرائے اپنے رئیس کے برخلاف بغاوت شروع کردی۔

ادریسی نے اس بغاوت کو فرو کرنے کی یہ تدبیر سوجھی کہ ابن سعود سے مدد طلب کیجائے کیونکہ وہ شریف حسین کا دشمن ہے۔ چنانچہ ابن سعود کو لکھا اور اس نے ایک لشکر باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔ اس لشکر نے باغیوں کو شکست دیتے ہوئے ابھا اور محائل، شہر پر قبضہ کر کے اپنے علاقوں میں شامل کر لیا۔

پہلی صفر ۱۳۴۳ھ کو ابن سعود کے ایک فوجی کے ہاشمی فوج کو جو حجاز کی سرحد پر تھی۔ حملہ کر کے بھگا دیا۔ اور ۶۔ صفر ۱۳۴۳ھ کو سعودی دستوں نے طائف پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ برابر آگے بڑھتے گئے۔ حتیٰ کہ ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو یہ لوگ مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ اس فوج کی کمان ابن سعود کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ اور پھر ۲۴۔ دسمبر ۱۹۲۵ء کو سعودیہ افواج کے جدہ پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت سے تمام مملکت حجاز ان کے اقتدار میں آگئی۔ اور ۱۲۔ نومبر ۱۹۲۶ء کو سارے حجاز کے امرا اور رؤسائے مکہ معظمہ میں جمع ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور ان کو اپنا بادشاہ قرار دیا۔ اس وقت ابن سعود نے اپنے لئے ایک لقب "ملک الحجاز و سلطانِ نجد و ملحقا تھا،، ختیار کیا،، بعد میں یہ لقب بدلکر "ملک البلاد العربیہ السعودیہ" مقرر کیا۔

ممالک عربیہ سعودیہ کا نظام حکومت

نجد میں حجاز کے شامل ہونے کے وقت تک، عین اسلامی شریعت کے مطابق حکومت ہوتی تھی۔ امیر ہی امام تھا۔ دینی احکام کے نفاذ، اوامر و نواہی اعلائے کلمۃ اللہ، اور جہاد وغیرہ میں مکلف تھا۔ حکومت سعودیہ کے حجاز پر قابض ہونیکے بعد، اہل نجد متمدن دنیا سے ملنے لگے۔ جسکے باعث ان کے نظام حکومت میں بعض

تبدیلیاں پیدا ہوگئیں۔ انہوں نے حجاز میں ایک کمیٹی بنائی جسکا نام "نظام التشکیلات الاساسیہ" یعنی مجلس قانون ساز رکھا جو کہ دیگر حکومتوں کی طرح دستوری مجالس کی شکل میں ہے۔ اس کمیٹی نے قومیت، مجلس شوریٰ، کرنتاین، حفظانِ صحت، اور عدالت کے لئے قوانین وضع کئے۔ اسی طرح ان کے یہاں بہت سے نئے قوانین رائج ہوگئے جنکے لئے ضرورت نے مجبور کیا۔

پادشاہ تمام قوانین کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ جو دیگر ممالک میں معروف ہے یہاں رائج نہیں ہے۔ تمام قوانین عموماً شرع اسلامیہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اور یہی ان لوگوں کا اساس ہے۔

جدید انتظامی قوانین کی بنا پر مملکتِ عربیہ سعودیہ دو آزاد مستقل حصوں پر منقسم ہے ایک حصہ نجد ہے جسکا دار السلطنت ریاض ہے۔ یہاں کا انتظام ملک ابن سعود کے بڑے لڑکے امیر سعود کے ماتحت ہے۔ یہاں نہ وزارت ہے نہ اصلاح ہیں نہ حکام ہیں اور نہ ہی کمیٹیاں اور دفاتر، جیسا کہ حجاز میں ہیں۔ غرضیکہ نظام حکومت حد سے زیادہ مختصر ہے۔ تمام دارومدار امیر پر ہے۔ البتہ ایک قاضی القضاۃ اور ایک بیت المال کا خزانچی ہے۔ بیت المال میں دوسرے علاقوں سے زکوٰۃ کا مال جمع ہوتا ہے۔ اور وہ امیر کے حکم کے مطابق ضروری مواقع پر خرچ ہوتا ہے۔

دوسرا حصہ حجاز کا ہے۔ جو ملک ابن سعود کے دوسرے لڑکے فیصل کے ماتحت ہے یہاں پر ایک مجلسِ وزرا قائم ہے۔ وزیر اعظم خود امیر فیصل ہے۔ سب چار وزارتیں ہیں جن میں سے تین وزیر اعظم اور پادشاہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے امیر فیصل کے ماتحت ہیں جنکے نام داخلیہ، خارجیہ اور حربیہ ہیں۔ چوتھی وزارت مالیہ ہے جسکا وزیر ایک نجدی ہے

پادشاہ دونوں حصوں کے نائبوں پر نگرانی کرتا ہے۔ اور نائب بذات خود کوئی کام نہیں کرسکتے۔ جب تک کہ پادشاہ سے اجازت حاصل نہ کرلیں۔

نجد میں ولی عہد کا کوئی قرینہ نہ تھا۔ لیکن اکثر مدبرین کی رائے طے پائی کہ ولی عہد مقرر کردیا جاوے۔ تاکہ پادشاہ کی وفات کے بعد کوئی فساد رونما نہ ہو۔ چنانچہ تمام ملک نے اس مفید رائے سے اتفاق کیا۔ اور مجلس شوریٰ نے اس رائے کو سلطان ابن سعود کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے ۱۶ محرالحرام ۱۳۵۲ھ کو اپنے بڑے لڑکے امیر سعود کو مملکتِ سعودیہ کا ولی عہد مقرر کردیا۔

مندرجہ ذیل حکومتوں نے، حکومت عربیہ سعودیہ کا اعتراف کیا ہے۔ ٹرکی، ایران، جرمنی، روس، ہالینڈ، اور یورپ کی دیگر حکومتیں وغیرہ وغیرہ۔

مملکتِ یمن

جغرافیائی اور تاریخی حالات

یمن عربی ممالک کا ایک صوبہ ہے۔ جو جنگ عظیم کے بعد ٹرکی کی اقتدار سے الگ ہوگیا تھا۔ جیسا کہ ٹرکی نے ۱۹۲۳ء میں اعلان کیا تھا "کہ میں بلادِ عربیہ سے اپنی اقتدار اٹھا لیتا ہوں"۔ چنانچہ اسی وقت سے یمن نے اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی ہے۔

یہ ملک بالکل آزاد و مختار ہے۔ یورپ کی کسی سلطنت کا اس پر اثر نہیں ہے۔ نظام حکومت عین شریعت اسلام کے بموجب ہے۔ یہاں کے باشندوں نے اپنے

بادشاہ کو امیر المومنین کا لقب دے رکھا ہے۔ آبادی کی تعداد سرکاری طور پر محقق نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا اندازہ ہے کہ پانچ ملین ہے۔ بعض تین ملین کہتے ہیں۔ اور بعض آٹھ دس ملین بتاتے ہیں۔ اسی طرح ملکی مساحت کا بھی کوئی باقاعدہ شمار نہیں ہے۔ قیاس ہے کہ ملک کی مساحت پچاس ہزار مربع میل سے زاید نہ ہوگی۔

بلاد یمن کے دو حصے ہیں۔ ایک میدان ہے۔ اور دوسرا پہاڑی پہلے حصہ کو تہامہ یا ساحلی کہتے ہیں۔ جو کہ بحر احمر پر واقع ہے۔ اس حصہ میں درجۂ حرارت بہت زیادہ ہوتا ہے۔ موسم گرما میں گرمی کا درجہ ۴۰۔۵۰ ہوتا ہے۔ اس علاقہ کے باشندے امام محمد بن ادریس الشافعی کے پیرو ہیں۔ پہاڑی علاقہ کی آب و ہوا معتدل ہے میوہ جات کثرت سے ہوتے ہیں۔ اس علاقہ کے باشندے امام زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے پیرو ہیں۔

حدود اربعہ۔ شمال میں بلاد عسیر اور نجد، جنوب میں وہ نو علاقے ہیں جن پر حکومت برطانیہ کا تسلط ہے۔ مغرب میں بحر احمر، اور مشرق میں ربع الخالی ہے۔ پایہ تخت صنعاء ہے۔ جہاں پر امیر المومنین معہ اپنے لواحقین کے قیام پذیر ہیں۔ بڑے بڑے شہر درج ذیل ہیں صنعاء، حدیدہ، قسار، بریم، اب، تعز، زبید، بیت الفقیہ، مناخر، اللحیہ، الزیدیہ، مخا۔

جنگ کے زمانہ میں فوجی خدمات لازمی۔ اور امن کے زمانہ میں اختیاری ہیں۔ فوجی تعداد بیس ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ فوجی افسران صنعاء کے مدرسۂ حربیہ کے تعلیمیافتہ ہیں۔ حکومت کو استطاعت ہے کہ جنگ کے زمانہ میں فوجی طاقت ... کرسکتی ہے۔ یمن کے امام اور موجودہ حکومت کے بانی اور قائد اعظم المتوکل

مملكة يمن

جلالة الامام يحيى حميد الدين

رب العالمین امیر المومنین محمد بن یحییٰ بن محمد حمید الدین ہیں جنکی تصویر زیب کتاب ہے۔

امام یمن محمد یحییٰ حمید الدین کی پیدائش و تربیت

ربیع الاوّل ۱۲۸۶ھ کی صنعاء میں پیدا ہوئے انکا شجرۂ نسب حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ زیدی اماموں میں سے جو یمن کے امام رہے یہ ستائیسویں امام ہیں۔ تربیت ان کے والد مرحوم الامام المنصور باللہ نے کی۔ انہوں نے جدید مدارس میں تعلیم حاصل نہیں کی لیکن اکابر علما و فضلا سے اسلامی علوم میں قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ، ادب وغیرہ پڑھے جنکی وجہ سے بہت بڑے علاّمہ شمار ہونے لگے۔ معقول و منقول اور نظم و نثر میں بھی یکساں کمال حاصل کیا۔ ان کے بہت سے بلیغ قصائد اور اشعار زبان زدِ عوام ہیں۔ اور مدرسوں میں طلبا کو پڑھائے جاتے ہیں۔

امام نے اپنے بچپن کا عہد صنعاء میں گزارا۔ اس دوران میں سوائے تحصیل علم کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا۔ بیس برس عمر کے یونہی بسر کئے۔ شوال ۱۳۰۷ھ کو اپنے والد کے ہمراہ جبل اہنوم کو گئے۔ وہاں بھی طلب علم میں مصروف رہے۔ اور بڑے بڑے علما کی صحبت میں رہ کر یہاں تک عروج حاصل کیا کہ ان کے علم و فضل کا ڈنکا دُور دُور تک گونجنے لگا۔

ربیع الاوّل ۱۳۲۲ھ کو ان کے والد امام منصور نے وفات پائی مگر مرحوم نے اپنی حیات میں کوئی ولی عہد تجویز نہ کیا تھا۔ اعیان مملکت اور ارباب حل و عقد نے ایک مجلس عام منعقد کر کے یہ پاس کیا کہ امام محمد یحییٰ ابن منصور کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے اُن کے اندر بیعت کی چودہ شرائط بھی موجود ہیں۔ اور وہ ہر طرح سے

اہل ہیں۔ چنانچہ سب لوگ ان کے یہاں آئے۔ اوّل تو انہوں نے انکار کیا۔ لیکن اصرار کے بعد اُنہوں نے اس بارِ عظیم کو قبول کرلیا۔ اور ۲۰۔ ربیع الاوّل ۱۳۲۲ھ کو اہل یمن نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور انکا لقب "المتوکل علیٰ رب العالمین" رکھا گیا۔ اور سکہ پر یہ عبارت کندہ کرائی "عصمتی باللہ المتوکل علی اللہ"

۱۹۱۴ء کو جب جنگ عظیم کا اعلان ہوا۔ اور برطانیہ کی افواج بحر احمر کے ساحل پر چھا گئیں۔ تو اس وقت یمن اور آستانہ کے مابین سلسلہ مراسلت قطع ہوگیا اور ترکی افواج جو وہاں مقیم تھیں محصور ہوگئیں۔ ترکی افسروں کو سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ امام یمن کی پناہ میں آجائیں۔ چنانچہ ترکی افسر تمام تر امام کی پناہ میں آگئے۔ اور اُنہوں نے باقاعدہ ان کے مشاہرہ وغیرہ قائم کردیئے۔ اور یہ لوگ مُلکی نظم ونسق میں بدامنی کے زمانہ میں مددگار رہے۔ جیسا کہ امام نے حکومت ترکی سے معاہدہ کرلیا تھا۔ ترکی کے دشمنوں نے جو ان کو انگریزوں سے ملنے کے لئے ترغیب دے رہے تھے۔ ملنے سے انکار کردیا۔ یہاں تک کہ جنگ عظیم کا خاتمہ ہوکر برطانیہ اور ترکی کے مابین صلح ہوگئی۔ اور یہ طے پایا تھا کہ ترکی بلاد اسلامیہ سے الگ ہوجائیگا۔ جسمیں یمن بھی شامل تھا۔

۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو حکومت عثمانیہ کی وزارت حربیہ نے مندروس سے فوج کے جنرل کو حکم بھیجا کہ وہ برطانیہ کی جملہ احکام تسلیم کرے۔ جنرل موصوف نے تعمیل کی تو پھر برطانیہ نے اس کو یمن سے مصر منتقل کردیا۔ اور یہاں پر سے آزاد کردیا گیا۔ آزاد ہونے پر وہ آستانہ کی طرف چلا گیا۔

امام یحییٰ نے اس دوران میں ملک کی اندرونی حالت کو سدھارنے کی طرف

متوجہ ہوئے اُنہوں نے سابق ٹرکی گورنر کو اپنے ملک میں بحال رکھا۔ اور باقاعدہ تنخواہ دیتے رہے۔ اور اس کی خدمات سے ملکی مفاد کے لئے استفادہ حاصل کرتے رہے ۱۹۲۳ء کو جب ٹرکی اور برطانیہ کے مابین صلح ہوئی تو اس وقت تک سابق ٹرکی گورنر یمن میں مقیم رہا۔ اسی دوران میں حکومت عثمانیہ نے ایک اعلان شائع کر دیا کہ حکومت عثمانیہ عربی ممالک کی اقتدار سے علیٰحدہ ہو لی ہے۔

امام یحیےٰ کو اپنی جدوجہد سے داخلی و خارجی خود مختاری ٹرکوں کے عہد میں حاصل ہوئی اور یہ اپنی فراست کی بنا پر جنگ کے معاملات سے بالکل محفوظ رہے اور اپنے مُلک میں ایک خود مختار سلطنت قائم کر لی جس میں غیر حکومتوں کو کسی طرح کا بھی کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ نیز جنگ عظیم کے اختتام پر ادریسیوں کے ملک کا بھی بہت سا حصہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور نو علاقوں میں سے بھی کچھ حصہ اپنی پادشاہت میں شامل کر لیا۔

یمن کا نظام حکومت

عنان حکومت ہر لحاظ سے، اور ہر اختیار سے امام یحییٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور امام کو جزو کل پر ہر طرح کا اقتدار ہے۔ حکومت کا ماتحت عملہ کسی معاملہ میں کوئی دسترس نہیں رکھتا جب تک کہ امام کا حکم نہ صادر ہو جائے۔ امام ہی عہدیداروں کا انتخاب کرتا ہے۔ اور خود ہی ان کو الگ کر دینے پر قادر ہے۔ اور صلح و جنگ کے اعلان کا بھی خود ہی مُعلّن ہے۔

یہ حکومت ظاہری و باطنی اعتبار سے بالکل اسلامی حکومت ہے۔ نظم و نسق کو استوار کرنے کے لئے بعض جدید تبدیلیاں کی ہیں۔ جو کہ دیگر دول کی وزارتوں کی مانند ہیں۔ وزارت کے منصب سب اپنے لڑکوں کو دیئے ہیں۔ اور لڑکے امور

وزارت کو سرانجام دینے کے لئے اپنے باپ کے احکام کے پابند ہیں۔ خود کچھ کرنیکا اختیار نہیں رکھتے۔ گویا کہ سب کام امام کی نگرانی میں سرانجام پاتے ہیں۔ وزارت خارجیہ ایک ترکی صوبہ دار کے ہاتھ میں ہے۔ جسکا نام راغب بیگ ہے۔ یہ ترکی حکومت کے عہد سے ایک صوبہ کا صوبہ دار تھا۔ ویسے امام سے اس کی رشتہ داری بھی ہے۔ اسی کی دختر سے ولی عہد یمن کی شادی ہوئی ہے۔ اور دوسری دختر کی شادی سید الحسن کے ساتھ ہوئی ہے۔ جو آجکل کسی خیانت کی وجہ سے یمن سے نکال دیا گیا۔

یمن میں کوئی نئے قوانین رائج نہیں ہوئے۔ احکام شرعی کے مطابق حکومت ہوتی ہے۔ ضرورت کے مفاد پر امام شریعت سے استنباط کرتا ہے۔ یمن میں بارہ احکام جو کہ زیدی آئمہ کے مذہب کے خلاف نافذ ہیں۔

زیدیوں کے طریقہ کے لحاظ سے امام کے لئے لازمی ہے۔ کہ وہ مجتہد ہو۔ اور بوقت ضرورت شریعت سے احکام استنباط کرسکے۔ علاوہ بریں شرعی نکتہ نگاہ سے امام کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ چودہ صفات سے متصف ہو۔ جس میں یہ وصف موجود نہ ہوں۔ وہ امام نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی اس کے ہاتھ پر بیعت کی جاسکتی ہے۔ اور وہ چودہ شرائط یہ ہیں۔

مذکر۔ مکلف۔ آزاد۔ مجتہد۔ علوی۔ فاطمی۔ عادل۔ سخی۔ سمجھدار۔ سلیم العقل۔ سلیم الحواس۔ سلیم الاطراف۔ صائب الرائے و مدبر۔ شجاع و شہسوار۔

یمن میں ولی عہد قائم کرنے کا ابتدا سے کوئی قرینہ نہ تھا۔ لیکن موجودہ امام نے اپنی زندگی میں، اپنے بڑے صاحبزادے امیر احمد کو ولی عہد مقرر کیا ہے تاکہ ان کی وفات کے بعد بھائیوں میں نزاع نہ ہو اور ملک میں فساد نہ پھیلے۔

مملکتِ مصر

جغرافیائی اور تاریخی حالات

مصر ترقی و تہذیب اور موجودہ تمدن کے اعتبار سے، تمام اسلامی ممالک میں ممتاز ہے۔ اور جغرافیائی اعتبار سے بھی اس کی مرکزیت کو ایک اہمیت حاصل ہے۔ الغرض یورپ، ایشیا، و افریقہ، اور مشرق و مغرب کے درمیان ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی ملک کی اسلامی عربی تہذیب یورپ کی مسیحی تہذیب سے ٹکر کھاتی ہے۔ یہاں بے شمار علم و فن کی مجالس قائم ہیں۔ جو تہذیب و اخلاق کے پیغامات اطرافِ عالم میں روانہ کرتی ہیں۔

اس ملک کا رقبہ ۹۴۹۳ کیلومیٹر مربع ہے۔ مردم شماری ۱۹۲۷ء کی رو سے ۱۴۱۷۶۸۰۸ نفوس پر مشتمل ہے۔ جن میں ۸۷۷۴۵۸ قبطی، ۱۸۵۹۹۵ یہودی، ۱۰۷۶۸۴ رومن کیتھولک ۱۸۴۸۴ پروٹسٹنٹ، ۱۴۴۱۶ دیگر اقوام کے عیسائی، ۱۱۲۰۰۰۔ اجنبی ممالک کے باشندے، اور باقی تمام آبادی مسلمانوں کی ہے۔ جو امام شافعیؒ کے پیرو ہیں۔

حدودِ اربعہ۔ شمالی جانب بحرِ ابیض، غربی سمت بنغازی کے ٹکڑے، جنوبی طرف سوڈان، اور مشرق میں بحرِ احمر و سینا کے میدان واقع ہیں۔ پایۂ تخت قاہرہ اور حکومت اسلامی ہے۔ قانونی نکتۂ نگاہ سے ملک کا مستقل مذہب اسلام

ہے۔ بڑے بڑے شہر یہ ہیں۔ قاہرہ۔ اسکندریہ۔ طنطا۔ پورٹ سعید۔ منصورہ منیا۔ اسیوط اور اسوان۔ اسی نظامِ حکومت دستوری جمہوری اور ایک پادشاہ کے ماتحت ہیں۔

دورانِ امن میں سپاہ کی تعداد اٹھارہ ہزار ہے۔ مصری حکومت اپنے قدیم فرمانوں کی رو سے اُسے بڑھا سکتی ہے۔ فوجی خدمات لازمی اور جبری ہیں تختِ مصر کا مالک ملک فاروق الاوّل جو مرحوم و مغفور ملک احمد فواد الاوّل کے فرزند ہیں جو محمد علی پاشا بانی خاندانِ محمد علویہ مصر کے پرپوتے ہوتے ہیں ان کی تصویر زیبِ قرطاس ہے۔

جلالۃ ملک مصر فاروقِ اوّل کی پیدائش و تربیت

۱۱۔ فروری ۱۹۲۰ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب والدین کی طرف سے محمد علیؒ پاشا خدیو، بانیِ حکومتِ مصر سے ملتا ہے۔

۱۹۲۲ء میں آپ کے والد مرحوم نے دربارِ عام کیا جس میں وزراء و روساء و دیگر اراکین شریک تھے۔ امیر فاروق اوّل کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے عام اعلان کیا۔ اس اعلان کو تمام مُلک نے منظور کیا۔ اور اسی ۱۰۱ ازمیں خوشی منائی گئی۔

عربی، علوم دینیات، خاص استادوں کی نگرانی میں حاصل کئے۔ زبان انگریزی کی ابتدائی اتالیق ایک انگریزی خاتون، مس نیلور ہیں۔ انگریزی ابتدائی دور ختم ہوا۔ تو ان کو انگریزی کی تکمیل کے لئے ایک فاضل استاد کے سپرد کیا گیا۔

مملكة مصر

جلالة ملك مصر فاروق الاول

اکتوبر ۱۹۳۵ء کو آپ کے والد مرحوم نے' آپ کو رائل ملٹری رکاڈیمی ''ولوچ'' میں داخلہ کی غرض سے انگلستان روانہ کیا تاکہ فن سپہ گری' اور خصوصیت سے شہسواری و توپ چلانا سیکھیں۔ مگر نو عمری کی وجہ سے کالج کے قوانین کے مطابق داخل نہ ہوسکے۔ چنانچہ ماہرانِ فن سے استفادہ حاصل کرنا شروع کیا۔ تا وقتیکہ آپ کی عمر کالج میں داخل ہونے کے قابل نہ ہو جائے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ ۳۰۔ اپریل ۱۹۳۶ء کو آپ کے والد ملک مصر انتقال فرما گئے۔ اور آپ کو چاروناچار اپنی تعلیم کو خیرباد کہکر انگلستان سے مراجعت فرمائے مصر ہونا پڑا۔ تاکہ تاج و تخت کو سنبھال لیا جائے۔

حکومت مصریہ کے قوانین کی رو سے اٹھارہ سال کی عمر سے قبل بادشاہ عنانِ حکومت اپنے اقتدار میں نہیں کرسکتا۔ آپ کی عمر اس وقت صرف سولہ سال اور تین ماہ ہے۔ چنانچہ ایک سال نو ماہ کے لئے کونسل آف ریجنسی ترتیب دی گئی ہے۔ جو مصر کی باگ ڈور اپنے اقتدار میں رکھے گی۔ اور جب موجودہ ملک اٹھارہ سال کے ہو جائینگے۔ تو تاج و نگیں کے مالک قرار پائیں گے۔

کونسل آف ریجنسی کے اراکین کے نام درج ذیل ہیں :-

۱ محمد علی جو سابق خدیو مصر کے صاحبزادے ہیں۔

۲ عزیز عزت پاشا سابق وزیر لنڈن۔

۳ شریف صبری پاشا جو موجودہ ملکہ کے بھائی ہیں۔

اُمید ہے کہ ملک مصر فاروقِ اوّل اپنے والد مرحوم و مغفور کے نقشِ قدم پر چلکر ملک و ملت کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔

136059

مملکتِ ٹرکی

جغرافیائی اور تاریخی حالات

یہ جمہوریت، عثمانی پادشاہت کے انقراض کے بعد جنگ عظیم کے اختتام پر قائم ہوئی ہے۔ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو اس جمہوریت نے اپنا پایۂ تخت انگورہ مقرر کیا۔

۲۰۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء کی مردم شماری کی رو سے آبادی بیس ملین نفوس کی ہے۔ اور یہ بالکل درست ہے کہ اب آبادی بہت زیادہ ہو گئی ہے۔

نظام حکومت جمہوری، دیمقراطی اور نیابی ہے۔ جمہوریہ کا صدر ہوتا ہے۔ جسے مجلس وطنی کبیر کے ارکان ہر چار سال کے بعد منتخب کرتے ہیں۔ ایک وزارت جمہوریہ مجلس کے ماتحت ہے جس میں قوم کے نمائندے ہوتے ہیں۔ ان کا انتخاب بھی ہر چار سال کے بعد عمل میں آتا ہے ۱۹۲۰ء سے مصطفیٰ کمال جمہوریہ ترکیہ کے صدر چلے آ رہے ہیں۔

باشندے ترک مسلمان ہیں امام ابو حنیفہ نعمان علیہ الرحمۃ کے پیرو ہیں۔ ماسوا چند ہزار یہودی اور ستر ہزار رومن کے جو کہ قدیم پایۂ تخت میں رہتے ہیں ارمنی اور رومن کو اناطول میں رہنے کی اجازت نہیں۔ پہلے یہ بکثرت آباد تھے لیکن ۱۹۲۳ء سے ان لوگوں کو وہاں سے نکال دیا گیا ہے۔

حدودِ اربعہ۔ شمال میں بلغاریہ اور یورپ یونان و بحر اسود ہیں۔ مشرق میں رُوس، ایران اور عراق ہیں۔ جنوب میں سیریا اور مغرب میں بحر ابیض واقع

مملكة تــركى

رئيس جمهوريهٔ ترکیه مصطفی کمال پاشا

ہیں۔ یہ ایشیائی اور یورپی ملک ہے۔ اسکا پایۂ تخت اور زمین کا اکثر حصہ ایشیا میں ہے۔ استنبول اور ادرنہ کا علاقہ یورپ میں واقع ہے۔ ملک کا رقبہ آٹھ لاکھ کیلومیٹر مربع میل ہے۔ مشہور اور بڑے بڑے شہر یہ ہیں:۔

استنبول۔ آدرنہ۔ انگورہ۔ آسکیشہر۔ قونیہ۔ اطنہ۔ مرسین۔ ازمیر۔ اناطولیہ۔ سیواس۔ قسطونی۔ طرابزون۔ سمسون۔ قیصریہ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایک زراعتی ملک ہے۔ اور صنعت و حرفت کی طرف بھی کافی توجہ کر رہا ہے۔

موجودہ صدر جمہوریہ غازی مصطفٰے کمال پاشا ہیں۔ جو جدید ٹرکی کے بانی اور قائدِ اعظم ہیں۔

غازی مصطفٰے کمال پاشا کی پیدائش و تربیت

۱۸۸۰ء مطابق ۱۲۹۸ھ کو سلانیک شہر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد تاجر تھے۔ والد نے انکا نام مصطفٰے رکھا انکا خاندان لاریسا یونان سے ہے۔ جنگ ٹرکی و یونان کے خاتمے پر انہوں نے ٹرکی کی طرف ہجرت کی۔ اور سلانیک کو اپنا وطن قرار دیا۔ والد نے مصطفٰے کو ایک مکتب میں داخل کیا۔ یہاں ان کی معلمہ ایک عورت تھی، قرآن مجید کی تعلیم پائی۔ پھر ابتدائی مدرسہ میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کی۔

جب ان کے والد فوت ہوئے تو انہوں نے کوئی جائداد یا وراثت انہیں چھوڑی تھی۔ ان کی والدہ مصطفٰے اور اس کی ہمشیرہ کو ہمراہ لیکر ایک گاؤں میں اپنے بھائی کے پاس چلی گئیں۔ ان کے ماں موں زمیندار تھے۔ انہوں نے انکی تربیت اور دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے سر لی مصطفٰے اپنے ماں موں کو ہر کام میں مدد دینے لگے۔

مگر والدہ کو یہ ناگوار تھا کہ میرا ذہین لڑکا جہالت کی زندگی بسر کرے انہوں نے

ان کو سلانیک میں اپنی ہمشیرہ کے پاس بھیجدیا۔ چنانچہ خالہ نے مصطفیٰ کو ایک سرکاری مدرسہ میں داخل کر دیا۔ اور خود نگراں رہی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ اپنی جماعت کے ایک لڑکے سے مصطفیٰ کی لڑائی ہوئی جس پر استاد نے ان کو مارا۔ دادی کو یہ بات بہت بُری معلوم ہوئی۔ انہوں نے مصطفیٰ کو مدرسہ سے اُٹھوا کر فوجی مدرسہ میں داخل کر دیا۔ مصطفیٰ نے اس مدرسہ کو بہت پسند کیا۔ والدہ نے فوجی مدرسہ کے داخلہ کی اس وجہ سے مخالفت کی کہ یہ مجھ سے دُور نہ ہو جائیں۔ مصطفیٰ نے یہ اصرار کیا۔ چنانچہ والدہ بھی ان کی رائے سے متفق ہو گئیں۔

فوجی مدرسہ سے ان کو "کمال" کا لقب ملا۔ اسی وجہ سے مصطفیٰ کمال کہلانے لگے۔ جب اس مدرسہ کی ابتدائی جماعتیں پاس کر لیں۔ تو پھر مناستر ہائی اسکول منتقل کر دیئے گئے۔ یہاں تعلیم ختم ہو جانے پر سند حاصل کی۔ پھر استنبول کے فوجی کالج میں منتقل ہو گئے یہاں سے سنہ ۱۹۰۱ء مطابق ۱۳۱۹ھ کو "لفٹیننٹ دوم" کی ڈگری حاصل کی۔ چونکہ انہوں نے اپنی اس تعلیم میں نمایاں خصوصیات حاصل کرتی تھیں۔ اسلئے ارکان حرب کی جماعت میں شامل کر لئے گئے۔ اور تین سال کے بعد ارکان حرب کے کپتان ہو کر نمبر ۵ رجمنٹ کے ہمراہ دمشق روانہ کئے گئے۔ سلطان عبدالحمید کو جاسوسوں نے خبر دی تھی۔ کہ مصطفیٰ کمال نے حربیہ کالج میں اپنے دیگر طالب علموں کو ساتھ ملا کر ایک انجمن قائم کی ہے جسکا مفاد یہ ہے کہ وہ موجودہ حکومت کے خلاف اپنا اثر و اقتدار کام میں لاوے۔ اور ایک رسالہ بھی اپنے ہاتھ سے لکھکر جس میں ان کے مقاصد ہوتے ہیں۔ اپنی جمعیۃ کے اراکین میں تقسیم

کرتے ہیں۔اس یاداشت پر مصطفےٰ کو ماخوذ کر کے چند ماہ کے لئے جیل بھی بھیجدیا گیا۔جب میعاد قید ختم ہوئی۔تو دوبارہ ان کو دمشق کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ یہاں ایک فوجی رسالہ میں اڑھائی سال تک کام کرتے رہے ۱۹۰۴ء میں جب ایک لشکر جبل حوران کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا گیا۔تو یہ بھی اس میں چار ماہ شریک رہے۔اس کے بعد بیروت یافا اور قدس کی جانب گئے۔بظاہر یہ فوج میں کام کرتے تھے۔لیکن دراصل "جمعیۃ اتحاد ترقی" کے مقاصد کا ہر جگہ خفیہ طور پر پرچار کرتے رہے۔اور ہر جگہ شاخیں قائم کر کے دوسرے افسروں کو بھی اپنے ساتھ ملاتے رہے۔

تیسری رجمنٹ کے ارکان حرب کی کمیٹی ۱۹۰۸ء کو سلانیک کی طرف روانہ کی گئی تھی۔یہ بھی اس میں ایک رکن کی حیثیت سے شریک تھے۔اور حکومت عثمانیہ کے اعلان دستوری کے بعد بھی جو ۱۹۰۸ء میں نافذ ہوا تھا۔وہیں مقیم رہے۔

۱۳۔اپریل ۱۹۰۹ء کو یہ ارکان حرب کی انجمن کے رئیس ہو کر ادرنہ کی طرف استنبول سے فتنہ و فساد فرو کرنیکے لئے گئے تھے۔ اسی سال ان کا فوجی رتبہ بڑھ گیا۔ اور یہ اس نئی فوج میں جو تکلیس طرابلس الغرب کی طرف روانہ کی گئی تھی میجر ہو کر ارکانِ حرب کی کمیٹی میں شامل ہو گئے۔پھر ۳۸ نمبر پیادہ فوج کے جنرل مقرر ہوئے ۱۹۱۰ء میں ارکان حرب کی اس کمیٹی میں جو استنبول میں مقیم تھی۔شامل کر لئے گئے اور پھر وزیر حرب محمود شوکت پاشا ۱۹۱۰ء میں البانیا کی بغاوت فرو کرنے کے لئے ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔

مصر میں ۱۹۱۱ء کو جب اٹلی نے دولتِ عثمانیہ سے جنگ کرنے کا اعلان

کیا اور طرابلس الغرب کی سمت بھی بیجا حملہ کر دیا۔ تو مصطفےٰ کمال نے استنبول کو خیرباد کہا۔ اور بھیس بدل کر مصر کے راستہ سے بنغازی چلے آئے۔ اور مجاہدین کی صفوف مرتب کرنے لگے۔ اور جنگ کے متعلق ضروری ہدایات دیتے رہے۔ چند روز مصر میں سامانِ سفر درست کرنے کے لئے قیام کیا۔ اور پھر برقہ کی طرف روانہ ہوکر بخیریت وہاں پہنچے۔ اور ادرنہ کی سپاہ کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیکر اٹلی کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اٹلی و ٹرکی کے مابین صلح ہوگئی۔ اور پھر یہ استنبول لوٹ آئے۔

سنہ ۱۳-۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان میں شریک ہوئے۔ اور ارکانِ حرب کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ پھر سنہ ۱۹۱۳ء کو انور پاشا مرحوم کی قیادت میں جو فوج ادرنہ واپس لینے کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ یہ بھی اس میں شریک تھے۔ پھر صوفیہ میں جو کہ حکومت بلغاریہ کا پایۂ تخت ہے۔ ترکی سفیر کی حیثیت سے رہے۔ حکومت عثمانیہ نے ان کو "قائم مقام" کا لقب دیا۔

سنہ ۱۹۱۴ء کو جب جنگ عظیم کا اعلان ہوا۔ تو حکومت عثمانیہ نے بھی اپنی افواج کو ترتیب دیا۔ اس وقت مصطفےٰ کمال نے پھر فوج میں شامل ہونے کی کوشش کی لیکن وزارت حربیہ نے شراکت سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اصرار کیا تو وزارت حربیہ نے ان کی بات مان لی۔ اور نمبر ۱۹ رجمنٹ میں جو "درہ دانیال" پر کونسل لیمان خان ساندرس پاشا جرمن کی قیادت میں تھی۔ قائد مقرر کیا۔

۱۸۔ مارچ سنہ ۱۹۱۵ء کو حکومت برطانیہ کی سپاہ "انافارطہ درہ دانیال" میں خشکی پر اترنی شروع ہوئیں۔ اور جہاں جہاں ترک مقیم تھے گولہ باری شروع

کردی۔ چند گھنٹوں تک متواتر گولہ باری ہوتی رہی جس سے زمین جہنم زار بن گئی۔
اس وقت مصطفےٰ کمال مغربی حدود میں تھے۔ جب ان کو علم ہوا تو انہوں نے اپنی افواج بڑھا کر انگریزوں کا نہایت عقلمندی سے مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ انگریزوں کی پیش قدمی ساحل کی جانب رُک گئی۔ مصطفےٰ کمال کو بہت شاندار کامیابی ہوئی اس صلہ میں ان کو صوبہ انافارطہ کا قائد اعظم مقرر کیا گیا۔ اور انہوں نے درہ دانیال کی تمام مہمات کا بہت بہادرانہ مقابلہ کر کے انگریزوں کو شکست فاش دی۔ جب یہاں سے فراغت حاصل کر چکے تو نمبر ۱۶ رجمنٹ کے قائد مقرر ہو کر اناطول کی طرف گئے۔ جہاں روس والے لڑائی کر رہے تھے۔ انہوں نے نہایت بہادری سے مقابلہ کر کے روسی افواج سے تبلیس و موش دو شہر واپس لے لئے۔ اس معرکہ کو اپنی شجاعت و بہادری سے سر کر لینے کے بعد ان کی بہت زیادہ شہرت ہو گئی۔ اور ہر ایک کی زبان پر ان کے کارنامے آنے لگے۔
۱۹۱۶ء میں جب سرزمین حجاز کے اندر ترکوں کے خلاف بغاوت رُونما ہو گئی۔ تو یہ اس وقت دمشق میں تھے۔ جمال پاشا نے ان کو اپنی فوج کا قائد مقرر کیا۔ جو شریف حسین سے لڑنے کے لئے تیار تھی۔ انہوں نے بایں وجہ انکار کر دیا کہ میں کسی کے ماتحت رہ کر جنگ میں شریک ہونا نہیں چاہتا۔ اسی اثنا میں انور پاشا مرحوم دمشق کی طرف تشریف لائے۔ تو مصطفےٰ کمال نے انکو یہ رائے دی کہ ہم لوگوں کا صحرا میں عربوں کے ساتھ جنگ کرنا بے سود ہے بہتر ہے کہ اس ارادہ کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن انور مرحوم نے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ پھر یہ دونوں فلسطین سے ہوتے ہوئے استنبول پہنچے۔ یہاں

ان کو حکم ملا کہ دیارِ بکر میں جو رجمنٹ لڑائی کر رہی ہے۔ اس کے آپ قائد قرار دیئے جاتے ہیں۔ وہاں جا ئیے مصطفٰے کمال نے وہ قیادت ان شرائط پر منظور کرنی پسند کی کہ دیارِ بکر کی فوج کا سامان رسد اور افسر وغیرہ میں خود منتخب کروں گا۔ لیکن حکومت کو یہ گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی خدمات سے استعفا دیدیا۔

سنہ ۱۹۱۸ء کو ولی عہد حکومت عثمانیہ امیر محمد وحیدالدین جرمنی کے بادشاہ غلیوم کی ملاقات کو گئے۔ تو مصطفٰے کمال ان کے فوجی ایڈی کانگ مقرر ہو کر ساتھ گئے۔ وہاں انہوں نے شہنشاہ جرمنی، مارشل ہینڈنبرگ اور مارشل لیمان فون سانڈرس سے ملاقات کی اسی دوران میں میدان جنگ کا جہاں جرمنی اور فرانس کی لڑائی ہوئی تھی۔ معائنہ کیا۔ اور جرمنی کی عام حالت کا بھی مطالعہ کیا۔

جب سلطان محمد سادس نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ تو مصطفٰے کمال کو اپنے پاس بلا کر سیریا کی فوج کا قائد مقرر کیا۔ چنانچہ انہوں نے اس اعزاز کو قبول کر لیا۔ اور یہ فوراً ناصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ۳۱۔ جولائی سنہ ۱۹۱۸ء کو انہیں نمبر ۷ پلٹن کے قائد بننے کا حکم ہوا انہوں نے مصطفٰے فوزی پاشا سے جو اس وقت انقرہ کے رئیس ارکان حرب ہے چارج لیا۔ اور پھر فوج کی تنظیم کی طرف متوجہ ہوئے۔

۱۸۔ ستمبر سنہ ۱۹۱۸ء کو انگریزوں نے فلسطین پر حملہ کر دیا۔ تو انہوں نے نہایت دلیری اور بہادری سے ان کا تین روز متواتر مقابلہ کیا۔ حتٰی کہ انگریزی سپاہ نے ان کو تین جانب سے گھیر لیا۔ جب آٹھ نمبر پلٹن کو شکست ہوئی

مجبور ہوکر انہیں نابلس چھوڑنا پڑا۔ اور اس وقت یہ دہنی سمت برابر لڑائی کرتے رہے۔ تاکہ قیادت عامہ ناصرہ سے سلامت نکل جاویں یہ خطرہ تھا کہ انگریزوں کے ہاتھ اسیر نہ ہو جائیں۔ کیونکہ انگریزوں نے ساحلی جانب حیفا پر قبضہ کر لیا ہوا تھا۔ اور ناصرہ کی طرف جہاں ترکی قائد کا دفتر تھا۔ انگریزی سپاہ نے رُخ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ مصطفیٰ کمال وہاں سے دمشق چلے آئے۔ اور چند روز قیام کرکے اکتوبر ۱۹۱۸ء کو حلب آگئے۔ اور یہاں عثمانی عساکر کے قائد مقرر ہوئے۔ کیونکہ لیمان پاشا جرمن ان دنوں زیادہ اضطراب کی حالت میں تھے۔

آخر کار بہت معرکہ آرائیوں کے بعد ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو معاہدہ مندروس کی رُو سے حکومت عثمانیہ و حکومتِ برطانیہ کے مابین صلح ہو گئی۔ پھر مصطفیٰ کمال اطنہ کی طرف گئے۔ وہاں وزارت حربیہ نے ان کو فوج کا قائد مقرر کیا۔ یہ چند روز وہاں قیام کرنے کے بعد استنبول چلے گئے۔ کیونکہ ان کو علم ہو گیا تھا کہ انور پاشا مرحوم و جمال پاشا جو ان کے خیال کے مخالف تھے۔ استنبول سے چلے گئے ہیں۔

بعد ازاں دولت عثمانیہ کو طرح طرح کے مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ انگریزوں نے پایۂ تخت اور دیگر بڑے بڑے شہروں پر قبضہ جما لیا۔ اور یہ ارادہ کر لیا کہ ترکی کا تمام مُلک اپنے اقتدار میں لاکر باہمی حصہ بخرہ کر لئے جاوینگے۔ ترکی مدبرین ان حالات سے ازحد متاثر ہوئے۔ اور وہ غور و خوض کرنے لگے کہ کیا وسائل اختیار کئے جاویں۔ جو عثمانی قوم دنیا میں عزت و آبرو سے رہے۔ اور اپنے مُلک کے اندر آزادانہ زندگی بسر کی جاوے۔ ان

مدّبرین نے مصطفےٰ کمال سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کی ذات گرامی
کے لئے باعث رحمت تھی۔ بچہ بچہ انکا مداح تھا۔ اور ان کی ہر ایک قابلیت
معترف۔ یہ اتفاق سے اندنوں استنبول ہی میں ایک سرکاری کام کے لئے آ
ہوئے تھے۔ انہیں خود بھی حالات پر اچھی طرح عبور تھا۔ اور جب لوگوں کی
رائے عامہ اپنے خیالات اور ارادوں کی مؤید دیکھی۔ تو مئی ۱۹۱۹ء میں یہ
متفقہ رائے کے ماتحت ان مشکلات کا سدباب کرنے کے لئے منتخب ہوئے
اور تمام عثمانی عساکر کے انسپکٹر جنرل مقرر ہوئے۔ اسی دوران میں یہ اناطو
کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور وہاں پر عملی کام شروع کر دیا۔

۱۲۔مئی ۱۹۱۹ء کو اناطول جو کہ بحر اسود پر بندرگاہ ہے پہنچے اسی روز انگریز
مجلس اعلیٰ کے احکام کے ماتحت یونان "ازمیر" پر قبضہ کر لیا تھا۔

وطنی تحریک کی ابتدا

۲۱۔جون ۱۹۱۹ء کو اناطول میں ایک کانفرن
مصطفےٰ کمال کی صدارت میں منعقد ہوئی اور
پھر یہ ارضروم کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہاں ایک دوسری کانفرنس ۔ ا
جولائی ۱۹۱۹ء کو اپنی صدارت میں سرانجام دی۔ ۲۱۔ستمبر کو ایک تیسر
کانفرنس انہی مقاصد کی اعادہ کے لئے منعقد کی۔ اور تحریک وطن کے اغرا
مقاصد کا باتشریح اظہار کیا۔

انگریزی قونصل متعینہ استنبول کو جب ان کارروائیوں کا علم ہوا تو
گھبرایا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ جماعت ٹرکی پر قبضہ کرے۔ اس نے وزارت حر
کو مشورہ دیا کہ مصطفےٰ کمال کو یہاں بلالو۔ احکام صادر ہوئے لیکن مصطفےٰ

سننے سے انکار کردیا۔ دوبارہ وزارت حربیہ نے اصرار کیا لیکن انہوں نے اپنا استعفا روا کرادیا۔ پھر ان کی گرفتاری کے احکام وزارت نے صادر کئے لیکن کسی کو مجال نہ تھی کہ گرفتاری کے احکام کو مصطفےٰ کمال تک پہنچا سکے۔

حکومت جدیدہ وطنیہ کا آغاز

۲۳۔ اپریل ۱۹۲۰ء کو وطنیوں نے اپنے مقاصد کی چوتھی کانفرنس انگورا میں منعقد کی جس میں ٹرکی کے ہر ایک شہر سے دو نمائندے شریک ہوئے۔ تحریک وطنی کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا۔ ان لوگوں نے قدیم حکومت کی پارلیمنٹ کے ارکان کے ساتھ ایک مشاورت کرنی چاہی لیکن قونصل کے دباؤ سے اراکین نے شرکت سے انکار کردیا۔ انگورہ کی کانفرنس نے اپنی منعقدہ کانفرنس کا نام "ٹرکی کی مجلسِ وطن کبیر" رکھا۔ اس مجلس کے رئیس مصطفےٰ کمال منتخب ہوئے۔ اور پبلک نے ان کو کلی اختیارات دیئے۔ کہ وہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر طرح کے ارادے کام میں لادیں۔ اور دشمنوں کے ہاتھ سے اپنے وطن کو پاک کردیں۔ چنانچہ انہوں نے اسی آن ایک خودمختار حکومت قائم کرلی۔ جس کا نام "ٹرکی مجلس وطن کبیر کی حکومت" رکھا اور عملی طور پر اپنے ارادوں کو برسرکار لانے لگے۔

اس وطنی حکومت ارلفان ارمینیہ جنوب میں فرانسیسیوں سے اطنہ میں مغرب میں یونانیوں سے، شمال و غرب میں سلطان عبدالمجید کی حکومت سے ایک ہی وقت میں لڑائی شروع کردی۔ اور ۲۰۔ جون ۱۹۲۲ء کو مجلس وطنیہ نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ تمام اطراف واکناف جنگ کی قیادت عظمےٰ مصطفےٰ

کمال کے ہاتھ میں ہو۔ اور جس کو چاہیں ہر ایک محاذ جنگ پر تین تین ماہ کے لئے اپنی ہدایتوں کے ماتحت نائب مقرر کر دیں۔ چنانچہ ۹۔ ستمبر ۱۹۲۲ء انہوں نے تمام معرکے سر کر لئے۔ جس پر مجلس وطنیہ نے انکا بیحد شکریہ ادا کیا۔ اور مارشل "وغازی" کا لقب عنایت کیا۔

فتح ازمیر

اگست ۱۹۲۲ء میں غازی نے یونان پر حملہ کرنے کی جو اسکیم تیار کی تھی۔ اس وقت یونانی ازمیر، بروسہ اور بڑے بڑے شہروں پر قابض ہو چکے تھے۔ غازی نے ایک لشکر جرار تیار کر کے اپنی قیادت میں لیا۔ اور حملہ کر کے وادیِ مندرس تک آگے بڑھا۔ اور افیون قرہ حصار کے میدان میں سرائے کوئی اُور تاقچہ پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر ۲۳۔ اگست ۱۹۲۲ء کو ازمیر کے میدان میں سرائے کوئی اور بیلہ چک کی طرف رُخ کیا۔ یونانیوں کو علم نہ تھا کہ ان سابقہ دو حملوں کا مقصد کیا تھا۔ کیونکہ ان کے خیال میں صرف قرہ حصار پر حملہ کرنا مقصود تھا۔

آخر ۲۶۔ اگست ۱۹۲۲ء کی صبح کو ترکوں کے جرار لشکر نے قرہ حصار کے قلعوں پر عظیم گولہ باری شروع کر دی۔ یونانیوں نے قلعوں کو زیادہ مستحکم کر رکھا ہوا تھا۔ اور ان کو یقین ہو چکا تھا کہ ازمیر پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ دن کے ایک بجے ترکوں نے یونانیوں کی جوابی گولہ باری کو خاموش کر دیا۔ اور غازی اس میں فاتحانہ انداز سے داخل ہو گیا۔ وہاں کے لوگوں نے ان کے گرد حلقہ ڈال لیا۔ اور جوش مسرت سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ترکی افواج غازی کی قیادت میں یکے بعد دیگرے فتوحات حاصل کر

...یں۔ اور ۷۔ ستمبر ۱۹۲۲ء کو بحر ابیض تک پہنچ گئیں۔ ۹۔ ستمبر ۱۹۲۲ء کو قبل ...ز دوپہر ترکی فوج کا ایک دستہ "ازمیر" میں داخل ہوا۔ ۱۲۔ ستمبر ۱۹۲۲ء کو غازی اپنے عساکر کے ہمراہ خود "ازمیر" میں داخل ہو گئے۔ اور حکم دیا کہ یونانی ناطول سے رخصت ہو جائیں یونانیوں کے نقصان کا اندازہ بیس ہزار مقتول اور ۶۱۰۰۰ ہزار اسیر کیا جاتا ہے۔ جس میں سب قائد اور جملہ افسرانِ فوج شامل تھے۔ سات سو توپیں، دو ہزار مشین گنیں، تمام ہوائی جہاز، ایک لاکھ ساٹھ ہزار بندوقیں اور بہت سا سامان جنگ ترکوں کے ہاتھ آیا۔ ان عظیم الشان فتوحات نے، جو غازی کے تدبر، اور خدا کے فضل و کرم سے حاصل ہوئیں غازی کی قدر و منزلت کو دو بالا کر دیا۔ اور مجلسِ وطن کبیر نے اپنے ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے منعقدہ اجلاس میں متفقۃ الزباں ہو کر غازی ممدوح کو "یلدرم" (صاعقہ) کا لقب گرامی مرحمت کیا۔

اگست ۱۹۲۳ء کو مجلس ملتِ ترکیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور سابقہ مجلسِ وطن کبیر کو ...دید نام سے بدل دیا۔ اور سابقہ مجلس کے جملہ اراکین، وزرا، و دیگر عہدیداران جدید ...جلس ملت ترکیہ میں منتقل ہو گئے۔ اور سب نے اس کا اعتراف کیا۔

جمہوریت کی صدارت

وہ نظامِ حکومت، جو ترکی مجلس وطن کبیر نے اپنی ابتدائی کانفرنس منعقدہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء ...ترتیب دیکر نافذ کیا تھا۔ یعنی جمہوریت ترکیہ نیابیہ دیمقراطیہ ہونا قرار دیا تھا۔ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمہوریہ ہونے کا اعلان کیا۔ اور مجلس نے اتفاق رائے سے غازی موصوف کو جمہوریت کا صدر منتخب کیا۔

نومبر ۱۹۲۷ء کو صدارت کی میعاد ختم ہونے پر دوبارہ ان کو صدر انتخا
کیا۔ جمہوریہ ترکیہ کی صدارت کی میعاد چار سال تک میعاد ہوتی ہے۔ چنانچہ
ان کی ہر دلعزیزی اور خداداد ذہانت کا یہ بین ثبوت ہے۔ کہ یہ ۱۲۔ نومبر ۱۹۳۱ء
میں پھر انہی کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور جب سے نئی جمہوریہ کی تشکیل ہوئی ہے
صدارت کا منصب ہر انتخاب پر انہی کے حصہ میں آرہا ہے۔

مملکتِ ایران

جغرافیائی اور تاریخی حالات

ایران ایشیائے وسطیٰ کے بڑے اسلامی ممالک میں واقع ہے اسے "فارس"
بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے بادشاہ کو شہنشاہ کہا جاتا ہے۔ نئی مردم شماری کی
رو سے یہاں کی آبادی پندرہ ملین ہے۔

رقبہ ۱۶۱۸۸۸۸ مربع کیلومیٹر ہے۔ پایۂ تخت "طہران" ہے۔ مشہور
بڑے بڑے شہر یہ ہیں۔ اصفہان، تبریز، شیراز، کرمنشاہ، مشہد، شت
قزوین وغیرہ وغیرہ۔

حدود، روس، بحر قزوین، افغانستان، ہندوستان، خلیج فارس
عراق، اور ٹرکی جوانب میں واقع ہوئے ہیں۔ یہ زراعتی اور صنعتی ملکوں
شمار ہوتا ہے۔ قالینوں، پارچہ جات اور دیگر عمدہ صنعتوں کے لحاظ سے مشہور ہے
حکومت ایران داخلی و خارجی معاملات میں خود مختار ہے۔ اور یہاں

مملكة ايـــران

جلالة شهنـــشاه ايران رضا شاه پهلوی

کسی غیر ملکی حکومت کا اثر و اقتدار نہیں ہے۔ شاہ قاچار کے عہد حکومت تک
یہاں روسیوں، اور انگریزوں کا اندرون ملک میں کچھ اقتدار تھا لیکن موجودہ
شہنشاہ نے اس اثر و اقتدار کو بالکل نیست و نابود کر دیا ہے۔ اور یہ پہلی اسلامی
حکومت ہے جس نے جمعیۃ الاقوام میں شرکت کی۔ جدید فوجی تربیت یافتہ سپاہ
کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہے اور فوجی خدمات جبری ہیں۔ نظام حکومت،
دستوری، ملکی، نیابی، دیمقراطی اور مدنی ہے۔ موجودہ فرماں روا اعلیٰ حضرت شہنشاہ رضا
شاہ پہلوی ہیں جنہوں نے ایران کو حیات نو بخشی ہے۔ انکی تصویر زیب قرطاس ہے۔

رضا شاہ پہلوی شہنشاہ ایران کی پیدائش و تربیت

ان کا نام رضا بن عباس علی خان ہے
والد قدیم ایرانی سپاہ کے افسر تھے۔ ۲۴- اسفند ۱۲۵۶ھ ہجریہ شمسیہ مطابق ۱۰
ربیع الاوّل ۱۲۹۵ھ مطابق ۵- مارچ ۱۸۷۸ء کو بمقام اشت، جو سوادِ کوہ میں
واقع ہے۔ پیدا ہوئے۔

پیدائش کے وقت، والد مرحوم سواد کوہ کے حاکم اور فوج کے ایک دستہ
کے قائد تھے۔ انہوں نے پڑھنا لکھنا سکھلایا۔ آخر والد ہرات کی لڑائی میں شہید
ہو گئے۔ اس وقت رضا کی عمر بہت کم تھی۔ والدہ نے تربیت اپنے ہاتھ میں لی۔
جب سن شعور کو پہنچے تو ۱۳۰۰ھ میں فوج کے اندر سپاہی بھرتی ہو گئے۔ ترقی کرتے
کرتے افسری کا منصب حاصل کیا۔ اپنی شجاعت اور تدبر ظاہر کرنے پر زیادہ
عروج حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ سوادِ کوہ سے طہران اور طہران سے ہمدان، ہمدان
سے کرمانشاہ، اور کرمانشاہ سے مازندران وغیرہ تک منتقل ہوتے رہے۔ جو لوگ

حکومت کے خلاف بغاوت کرتے تھے۔ ان کو نہایت خوش اسلوبی اور مدبرانہ انداز سے صلح و آشتی سے سرفراز کر دیا۔ ان کے یہ کارہائے نمایاں جب حکومت پر روشن ہوئے تو حکومت نے طہران بلایا۔ اور انعام و اکرام دیکر ہمدان کی فوج کا قائد مقرر کیا۔ ۱۹۱۷ء کو جب روس میں انقلاب شروع ہوا۔ اور بالشویکوں نے قیصری لشکر پر حملہ کر کے قبضہ جما لیا۔ تو حکومت ایران میں ایک ہلچل مچ گئی۔ ایرانی سرحد پر یہ قائد مقرر ہوئے اور ایرانی سپاہ کی تنظیم میں مصروف ہوئے تاکہ ایرانی سرحد حکومت روس کے خطرات سے محفوظ رہیں۔ پھر ان کو طہران بلایا گیا۔ اور طہران کی حمایت کے لئے قائد مقرر کیا گیا۔ جب روسی ۲۰۔ مئی ۱۹۲۰ء کو ساحلِ بحر قزدین پر چھا گئے اور اسلحہ خانہ پر قبضہ جما لیا تو حکومت طہران نے روسیوں کی سرکوبی کیلئے ان کو عساکر کا قائد بنا کر روانہ کیا۔ انہوں نے روسیوں کا ڈٹکر مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ پھر انہوں نے قبیلہ قزاق سے ایک نئی فوج ترتیب دی۔ جو جدید تعلیمات سے آراستہ کی گئی۔ پھر انہوں نے حکومت ایران کی کمزوری اور اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے، موقعہ کو غنیمت جان کر ۳۔ حوت ۱۲۹۹ء مطابق ۱۹۲۱ء کو اپنی فوج ہمراہ لیکر طہران کی طرف رُخ کیا۔ اور حکومت ایران کے دفاتر پر تسلط پا لیا اور شاہ کو مجبور کیا کہ اپنی موجودہ وزارت معزول کر کے نئی وزارت ترتیب دے۔ چنانچہ انہوں نے خود اپنے اختیارات کے ماتحت ایک نئی وزارت قائم کی۔ اور اپنے قدیم دوست سید ضیاء الدین طبا طبائی کو رئیس وزرا مقرر کر کے خود وزیر حربیہ کا منصب اپنے لئے وقف کر لیا۔ اس زمانہ میں یہ ایرانی عساکر کے فیلڈ مارشل تھے۔

دوسرا اقدام یہ کیا کہ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو احمد شاہ قاچاری کو مجبور کیا کہ وزیر اعظم کا منصب ان کو سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ شہنشاہ مجبور ہوگیا۔ اور اس نے ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو رضا کو وزیر اعظم بنا دیا اور ساتھ ہی وزارتِ حربیہ بھی اسی کے ہاتھ میں رہنے دی۔ اور "سردار سپہ" کا لقب حاصل کیا۔

پھر چند روز بعد شاہ قاچار کو حکم دیا گیا کہ طہران چھوڑ دو۔ چنانچہ نومبر ۱۹۲۳ء کو شاہ قاچار وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔ اور براستہ سوریہ پیرس روانہ ہوگیا۔ آخر کار ۱۹۳۰ء میں شاہ قاچار نے پیرس ہی میں انتقال کیا۔

مورخہ ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء مطابق ۹۔ ربیع الاوّل ۱۳۴۴ھ کو ایرانی پارلیمنٹ نے یہ طے کیا کہ قاچاری خاندان کو معزول کر کے رضا شاہ پہلوی کو جو اس وقت ایرانی عساکر کے قائد اعظم تھے۔ حکومت ایرانیہ کا عارضی رئیس مقرر کیا جائے۔ جب تک کہ وطنی کمیٹی نئی تراکیب سے آراستہ ہو۔ پارلیمنٹ کی مجوزہ قرارداد حسب ذیل ہے:

"قاچاری خاندان کو، جو حکومت ایران کا اجارہ دار ہے معزول قرار دیتے ہیں۔ اور مفاد عامہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے نئی حکومت جو کہ عارضی طور پر معرض وجود میں لائی گئی ہے اس کی صدارت کا منصب جلیلہ رضا شاہ پہلوی کو سپرد کرتے ہیں۔"

چنانچہ یہ بارگراں ان کے کاندھوں پر رکھ دیا گیا۔ اسی دوران میں ایک نیا انقلاب ایران میں رونما ہوا۔ کہ حکومت ایران "حکومت جمہوریہ ایرانیہ" میں منقلب ہو جائے۔ اور جمہوریہ کے رئیس رضا شاہ پہلوی ہوں۔ علما نے اس رائے عامہ کی سر توڑ مخالفت کی۔ اور رضا شاہ پہلوی کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم مملکت ایران میں بادشاہت کے وجود کے حامی ہیں۔ اور بخوشی و خاطر یہ کہہ دینے کے لئے تیار ہیں کہ اگر

آپ بادشاہ بنجائیں تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں" رضا شاہ پہلوی نے علما کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور جمہوریت کے وجود کو بادشاہت سے بدل کر خود بادشاہ ہونے کا اعلان کردیا۔ چنانچہ ۱۵۔ دسمبر ۱۹۲۵ء کو مجلس شوریٰ ایرانیہ نے بالاتفاق ان کو بادشاہ تسلیم کرکے ان کی اعلیٰ خدمات ملیہ وملکیہ کا صلہ دیتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

ولی عہد کا منصب

حکومت ایران کے ولی عہد امیر محمد علی رضا پہلوی ہیں جنکا سن اس وقت اکیس سال کا ہے۔ اور وہ طہران کے حربیہ کالج سے فن سپہ گری کی تعلیم حاصل کرکے جدید مغربی تعلیمات کے حصول کے لئے سوئیٹزرلینڈ گئے تھے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہوکر اس وقت اپنے ملک ایران میں تشریف فرما ہیں۔

نظام حکومت

ظاہری اسباب کی بنا پر حکومت ایران کا دستوری پارلیمنٹری اور دیمقراطی نظام کے مترادف ہے۔ یہاں ایک پارلیمنٹ ہے جسکا نام "مجلس شوریٰ ملی" ہے۔ یہ مجلس اپنے اوقاتِ معینہ پر اجلاس کرکے ملک کے نظم ونسق پر غور وخوض کرتی ہے۔

مملکت افغانستان

جغرافیائی اور تاریخی حالات

ایشیائے وسطیٰ میں افغانستان بڑی اسلامی سلطنت شمار ہوتی ہے۔ یہ مُلک

مملكة خداداد افغانستان

جلالة ملک افغانستان محمد ظاهر شاه

خود مختار ہے۔ اور امور سلطنت میں کسی غیر ملکی حکومت کو دخل نہیں ہے۔
حدود اربعہ ۔ شمال میں حکومت ایران، شرقی سمت بخارا، مغرب وجنوبی سمت ہندوستان، رقبہ ۶۵۲۱ ۹ ۶ مربع کیلومیٹر ہے۔ مردم شماری ۱۹۳۲ء کی افغانی حکومت کی رپورٹ کے لحاظ سے بارہ ملین افراد کی ہے۔ مزید برآں چھ ملین افغانی جو ہندوستان میں مقیم ہیں اس آبادی پر اضافہ ہیں۔ مذہب سب کا اسلام ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان کے پیرو ہیں۔ تھوڑی مقدار شافعی وحنبلی لوگوں کی بھی ہے۔ یہاں کوئی عیسائی نہیں ہے۔ صرف تین ہزار یہودی ہیں جنکا قیام زیادہ تر ہرات میں رہتا ہے۔ دارالحکومت کابل ہے۔ بڑے بڑے شہر کابل، ہرات، قندھار اور جلال آباد ہیں یہ ملک زیادہ تر پہاڑی حصوں پر مشتمل ہے۔ باشندوں کی مادری زبان پشتو ہے۔ جوکہ آریۂ قدیم سے مشتق ہے۔ شمالی آبادی کی زبان چغتائی ہے۔ جو ترکی قدیم سے نکلی ہے۔ بکثرت فارسی زبان بھی مروّج ہے حکومت و ادب کی زبان فارسی ہے۔ گروہ علما زیادہ تر عربی داں ہے۔ جوکہ ان کی مذہبی زبان ہے۔ فوجی حالت منظم ہے زمانۂ امن میں پچاس ہزار سپاہ اور بیس ہزار سوار اور توپ خانہ وغیرہ ہوتے ہیں۔
یہ ایک زراعتی ملک ہے۔ باشندوں کی معاشرت وتمدن زمانۂ قدیم کے طریقہ پر چلی آرہی ہے۔ تجارتی واقتصادی حالت دوسرے ممالک کے مقابلہ میں پست ہے۔ موجودہ پادشاہ محمد ظاہر شاہ بن نادر شاہ بن یوسف ہیں جنکی تصویر زیب قرطاس ہے۔

اعلیٰحضرت محمد ظاہر شاہ کی پیدائش وتربیت	اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ

پادشاہ مملکت افغانستان۔ فرزند رشید اعلیٰ حضرت نادر شاہ شہید علیہ رحمۃ بروز دوشنبہ ۲۲۔میزان ۱۲۹۳ شمسی مطابق ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء دارالسلطنت کابل میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۹۵ شمسی بمطابق ۱۹۲۰ء سے ۱۳۰۱ شمسی بمطابق ۱۹۲۲ء تک مکتب عالی حبیبیہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اسی اثنا میں مکتب عالی استقلال تاسیس ہوا۔ اعلیٰ حضرت موصوف نے اس مکتب میں ۱۳۰۳ شمسی بمطابق ۱۹۲۴ء تک تعلیم حاصل کی اور ہر امتحان میں کامیاب ہوتے رہے۔ جب کالج کی اعلیٰ حضرت تعلیم حاصل کرنے کے لائق ہوئے تو آپ کے والد مرحوم و مغفور ہ شنبہ ۱۹۔ سرطان ۱۳۰۳ شمسی بمطابق ۱۱۔ جولائی ۱۹۲۴ء کو حکومت افغانستان کی طرف سے فرانس میں سفیر مقرر ہوئے۔ والد بزرگوار کے ہمراہ اعلیحضرت بھی حصول تعلیم کیلئے فرانس کو روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچکر پیرس میں ایک اسکول (رینہ جانسن) میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل کر دیئے گئے اس اسکول میں دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد مرحوم و مغفور کے ہمراہ جنوبی فرانس میں ڈیڑھ سال تک قیام کیا اور پھر پیرس کو مراجعت فرمائی۔ پیرس میں ایک محترم خاندان (دا ینو لو) کے ساتھ جسکے افراد فرانس کے محکمہ صحت کے اعلیٰ افسر تھے سکونت اختیار کی اور (پاستور) اسکول میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔

اسی اثنا میں افغانستان میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ تو ان کے والد مرحوم و مغفور اور چچا صاحبان نے بغاوت کو فرو کرنے کے لئے وطن کو مراجعت فرمائی۔ ممدوح اپنے والد بزرگوار کے حکم سے فرانس ہی میں مقیم رہے

تاکہ اپنی تعلیم کو مکمل کرسکیں۔ اس وقت حضرت ممدوح (دومون پیلے) کالج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اور اس کالج سے اعلیٰ ڈگری بھی حاصل کی۔ آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والد مرحوم و مغفور کی زیر نگرانی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی تھی یہ وجہ ہے کہ ذات ہمایونی اپنے والد مرحوم و مغفور کے اخلاق حسنہ و فضائل اعلیٰ کی حامل ہے۔

افغانستان کی بغاوت، جب اعلیٰ حضرت کے والد مرحوم و مغفور کے ہاتھوں فرو ہو چکی اور اُدھر فرانس میں اعلیٰ حضرت فارغ التحصیل ہو چکے تو حضرت شہید کے حکم سے بتاریخ ۲۰۔ میزان سنہ ۱۳۰۹ھ شمسی بمطابق ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء کو مراجعت فرمائے کابل ہوئے۔

کابل پہنچکر والد مرحوم کے عسکری کارنامے جو دیکھے تو اعلیٰ حضرت کو بھی عسکری اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا تاکہ اپنے وطن عزیز کی خدمت کرسکیں۔ چنانچہ ۲۷۔ سرطان سنہ ۱۳۱۰ شمسی بمطابق ۱۹۔ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء کو حربیہ کالج کابل میں حصول تعلیم کے لئے داخل ہوئے اور تعلیم کی تکمیل کے بعد سنہ ۱۳۱۱ھ شمسی بمطابق سنہ ۱۹۳۲ء میں علی الاعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد سرکاری طور پر وزارت حربیہ میں وزیر حربیہ کے قائم مقام مقرر ہوئے۔ وزیر حربیہ اعلیٰ حضرت کے بزرگوار چچا ہی تھے۔ جب کبھی وہ کسی کام کی انجام دہی کے لئے دوسرے مقام پر جاتے تو اعلیٰ حضرت ان کی غیر حاضری میں قائم مقامی کے فرائض ادا کرتے۔ اس کے علاوہ سرکاری طور پر وزیر معارف کے قائم مقام بھی رہے۔

چہارشنبہ ۱۶۔ عقرب بمطابق ۸۔ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء کو اعلیٰ حضرت نادر شاہ شہید نے

کابل کے حبیبیہ اسکول میں طالب علموں میں انعامات تقسیم کرتے ہوئے ایک شخص عبدالخالق نامی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا مرحوم کے مراسم تدفین کے بعد علما وامرا اور رؤسا نے ہ۔شنبہ ۱۷۔عقرب بمطابق ۹۔نومبر ۱۹۳۳ء کو اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں افغانستان کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور اُمید کی جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے زیر سایہ افغانستان کی جملہ رعایا ترقی کے منازل بسرعت تمام طے کرتی چلی جائے گی۔

انقلاب افغانستان

۱۹۲۸ء میں جب امیر امان اللہ خان نے افغانستان کو نئی تہذیب میں رنگنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص بچہ سقہ نامی نے ایک جماعت کو منظم کر کے امیر موصوف کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اپنی شبانہ روز کی شورشوں اور فتنہ انگیزیوں سے ملک میں ابتری پھیلا دی۔ امیر امان اللہ خان چونکہ نرم دل واقع ہوئے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ رعایا کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کریں۔ لہٰذا وہ بغیر کسی مدافعت کے تخت کابل کو یوں ہی چھوڑ کے قندھار چلے گئے۔ اور وہاں سے ہوتے ہوئے براستہ بمبئی یورپ کو روانہ ہو گئے۔

اس وقت نادر شاہ مرحوم ومغفور فرانس میں مقیم تھے۔ جب ان کو افغانستان کی شورش کا علم ہوا۔ تو وہ فرانس سے روانہ ہو کر بمبئی چلے آئے۔ ہندوستان پہنچکر نادر خان نے تمام ذمہ دار اشخاص سے ملاقات کی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ میں کابل کی بغاوت فرو کرنے میں جو بھی سعی وکوشش کروں گا وہ شاہ امان اللہ خان غازی کے حق میں ہی ہوں گی۔ اور میری ذاتی توقعات ان سے فائدہ

حاصل کرنے کی مؤید نہ ہوں گی۔ چنانچہ اس کے بعد نادرخان سرحد کابل میں داخل ہوئے اور تمام سرحدی قبائل کو اپنی دانشمندی و تدبر سے ملا لیا۔ ان قبائل میں۔ آفریدی، وزیری اور مہمند زیادہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد قبیلۂ غلزئی کو بھی اپنا طرفدار و موافق کر لیا جو کہ خصوصیت کے ساتھ بچہ سقہ کا طرفدار تھا۔ نادرخان نے اپنے قبیلہ کی نوّے عورتوں کو جو کہ اپنے سروں پر قرآن شریف اُٹھائے ہوئے تھیں قبیلہ غلزئی کے سرداروں کی طرف اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ عورتیں تمام سرداروں اور رئیسوں کو غیرت دلائیں کہ بچہ سقہ کی جو کہ ایک چور اور ڈاکو سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ حمایت نہ کریں۔ بلکہ آپ لوگ اس کا ساتھ دیں۔ جو حق پر ہو۔ شجاع ہو، جواں مرد اور شریف ہو۔ غرضکہ جملہ انسانیت کی صفات سے متصف ہو۔ دوم آپ سب ہمارے بھائی ہیں اور بہادری میں یگانۂ روزگار ہیں اور آپ کی ذات پر ہمیں کامل اعتماد ہے۔ چنانچہ مذکورہ نوّے مستورات اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگئیں۔ یہ حکمت عملی کارگر ثابت ہوئی غلزئی قبیلہ نے نادرخان کی ہر ممکن طریقہ سے امداد کرنے کا عہد کر لیا۔ اور بچہ سقہ کو جو تین ہزار سپاہی روانہ کرنے کا اقرار کر چکے تھے اسے منسوخ کر دیا۔ الغرض یہ پہلی کامیابی تھی جو نادرخان نے اپنے تدبر و اقتدار سے حاصل کی۔

نادرخان نے اپنی قیام گاہ علی خیل تجویز کیا۔ جو ہندوستان کے قریب سرحد پر واقع ہے۔ علی خیل میں شاہ نادرخان نے اپنے بھائیوں، شاہ

ولی خان اور شاہ محمود خان سے ملاقات کی اور بچہ سقہ کی پیدا کردہ بغاوت کو ملیا میٹ کرنے کی تجاویز سوچیں۔ اس معاملے میں مسلمانان ہند نے بھی ہر جائز طریقہ سے نادر خان کی تائید کی۔ کیونکہ مسلمانان ہند کو یہ گوارا نہ تھا کہ کابل کی ایک آزاد اور اسلامی حکومت ایک چور اور ڈاکو کے ہاتھ میں رہے۔ لوگوں کو یقین تھا کہ نادر خان جو کچھ بھی کرینگے ملّتِ افغانیہ اور حکومت افغانستان کے لئے سودمند ہوگا۔

پس ان خوشگوار حالات کے ماتحت نادر خان نے اپنی سپاہ کی تنظیم کی اور فیصلہ کیا کہ ستمبر ۱۹۲۹ء میں کابل پر چڑھائی کر دی جائے گی۔ اور ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو شاہ ولی خان کی قیادت میں روانہ کردہ لشکر کابل پر قبضہ کرے گا۔ بالآخر کابل پر ۹۔ اکتوبر کو حملہ کر دیا گیا اور ۱۴۔ اکتوبر کو شاہ ولی اللہ خان خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے کابل میں فاتحانہ داخل ہوگیا اور بچہ سقہ فرار ہوگیا۔

فتح کابل کی خبر آن واحد میں تلغراف کے ذریعہ اطراف عالم میں پھیل گئی۔ امیر غازی امان اللہ خان کو جو اس وقت روما میں تشریف فرما تھے فتح کابل کا علم ہوا تو وہ اس مژدہ سے بیحد خوش ہوئے۔ اسی دوران میں روما کی ایک اخبار کا نمایندہ آپ کے پاس حاضر ہو کر فتح کابل پر تبصرہ کرنے لگا اور سوال کیا کہ "نادر خان نے کابل کا تخت آپ کے لئے حاصل کیا ہے" تو غازی ممدوح نے فرمایا کہ "مجھے اس سے غرض نہیں۔ البتہ یہ خواہش ضرور ہے کہ نادر خان اگر تختِ کابل پر بیٹھے تو کم از کم مجھے اپنے خیال میں رکھے

تو ممالک غیر کے کسی ایک ملک میں مجھے سفیر کے طور پر ہی مقرر کر دے تاکہ خدمات وطنی میں کچھ نہ کچھ حق ادا کرتا رہوں" پھر غازی ممدوح نے فتح کابل پر نادر خان کو مبارکباد کا تار دیا۔ جسکا مضمون یہ ہے :-

"میں آپ کو اور جملہ ان متعلقین کو، جنکا نام آج کے زرّین کارناموں میں درج ہے۔ فتح کابل پر مبارکباد دیتا ہوں"

جمعیۃ وطنیہ کا اجلاس ۱۵-اکتوبر ۱۹۲۹ء کو نادر خان کابل میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ تمام رؤسا و اُمرائے ایک جمعیت کی شکل کابل کے میدان میں جلسہ کیا۔ رؤسا نے اپنے چالیس سردار منتخب کرکے نادر شاہ کی منشا معلوم کرنے کو روانہ کئے "کہ آیا ہر ایک قبیلہ کو جداگانہ اقتدار دیا جائے گا۔ یا کہ مرکزی حکومت قائم کی جائے گی نادر خان نے مرکزی حکومت قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ الغرض سب نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے نادر خان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور نادر خان نے اسی وقت سرکاری طور پر اپنی خود مختار بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

حکومت جدید نادر خان نے جب اپنی حکومت قائم کر لی تو اپنے بھائی شاہ ولی خان کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ اور دوسرے بھائی محمود خان کو وزیر حربیہ مقرر کیا۔

نادر خان کا جواب غازی امان اللہ خان کو نادر خان جب تخت پر بیٹھ گئے تو انہوں نے ایک تار غازی امان اللہ خان کو روما میں روانہ کیا جسکا خلاصہ یہ ہے۔

میں نے تخت کابل اس لئے قبول کیا ہے کہ ملتِ افغانیہ نے متفقہ طور
قبول کرنے کے لئے مجبور کیا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ آپ کی
جملہ خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کوشاں رہوں گا نیز میں اور ملتِ افغانیہ
آپ کی جلیل القدر خدمات بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔"

نادر خان مرحوم و مغفور جب کابل میں داخل ہوئے تو ہر چہار جانب ابتری پھیلی ہوئی تھی خزانہ خالی تھا۔ لشکر بے نظام تھا حتیٰ کہ ملک طوائف الملوکی میں مبتلا تھا ملتِ افغانیہ نہایت ابتر حالت میں تھی۔ شاہ نادر خان مرحوم مغفور نے اپنے تدبّر و خداداد قابلیت سے تھوڑے ہی عرصہ میں خزانہ کو بھر دیا حکومت کو منظم کر لیا۔ اور لشکر کو بہترین جدید طریقہ سے آراستہ کیا یعنی ایک طرح سے ملتِ افغانیہ کو جو کہ مُردہ ہو چکی تھی دوبارہ حیات بخشی۔

نظام حکومت افغانیہ

حکومت افغانیہ ایک پارلیمنٹ پر مشتمل ہے اس کے ایک سو گیارہ اراکین ہیں۔ انکا انتخاب ملتِ افغانیہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور یہ قوم کی آواز سمجھے جاتے ہیں۔

دوسری مجلس "مجلس شیوخ" ہے۔ اس کے اراکین چالیس ہوتے ہیں اور اس کا انتخاب پادشاہ کی طرف سے عمل میں آتا ہے۔

ایک کابینۂ وزارت ہے جسکا رئیس خود پادشاہ ہوتا ہے اور رئیس وزارت کو صدر اعظم بھی کہتے ہیں۔ کابینۂ وزارت سے جن وزارتوں کا الحاق ہے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

وزارتِ داخلیہ۔ وزارتِ خارجیہ۔ وزارتِ مالیہ۔ وزارتِ حربیہ

وزارتِ تجاریہ۔ وزارتِ اشغال عامہ۔ وزارتِ معارفیہ۔ وزارتِ عدلیہ۔
بادشاہ عساکر کا قائدِ اعظم ہوتا ہے۔ اور تمام ملکی امور میں دخل و اقتدار کا پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔

جمہوریہ سوریہ

جغرافیائی اور تاریخی حالات

جنگ عظیم کے اختتام پر، دیگر اسلامی ممالک کی طرح، جو حکومت ترکی سے الگ ہو گئے تھے۔ سوریہ نے بھی اپنی علیحدہ خود اختیاری حکومت قائم کرلی۔ کچھ عرصہ کے بعد فرانسیسیوں نے حملہ آور ہو کر اپنا تسلط جما لیا۔ اور اس ملک کو جغرافیائی، سیاسی، اور اقتصادی حیثیت سے پانچ حصوں میں منقسم کر دیا۔ جہاں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کریں۔ ہر حکومت کو دوسری حکومت کے مقابلہ میں حد فاصل قرار دیا۔ حکومتوں کے نام یہ قرار دیئے۔

اوّل۔ حکومتِ دمشق، جسکا نام سوریہ ہے۔
دوم۔ حکومتِ لبنان۔
سوم۔ حکومت جبل الدروز۔
چہارم۔ حکومت العلویین۔
پنجم۔ حکومت اسکندرونہ۔

یہ تمام حکومتیں دمشق کی حکومت میں واقع ہیں جنکو جمہوریہ سوریہ کے

نام سے معنون کیا جاتا ہے۔صدارت کے منصب کے لئے ایک مسلم رئیس کا انتخاب ہوا
اس کا رقبہ ۱۲۷۰۰۰ کیلو میٹر مربع ہے۔آبادی پندرہ لاکھ نفوس کی ہے
عربی النسل اقوام کی کثرت ہے۔ پایۂ تخت دمشق ہے مشہور شہر یہ ہیں۔
حلب۔حمص۔حماہ۔دویرالزور۔البابب۔ادلب۔اسکندرونہ۔انطاکیہ۔
حدودِ اربعہ۔ شمال کی طرف ترکی اور عراق۔مشرق کی طرف شرق الاردن
جنوب کی طرف فلسطین، مغرب کی طرف لبنان واقع ہوا۔
یہ ایک صنعتی اور زراعتی ملک ہے۔ رئیس جمہوریۂ سوریہ محمد علی العابد
ہیں۔جنکی تصویر زیب قرطاس ہے۔

محمد علی العابد رئیس جمہوریہ سوریہ کی پیدائش و تربیت

۱۸۶۷ء کو ملک شام میں پیدا ہوئے۔
والد کا نام احمد عزت پاشا العابد ہے جو کہ سلطان عبدالحمید کے دوسرے سکریٹری تھے۔سلسلہ نسب ''الموالی قبیلہ'' سے ملتا ہے جو کہ صحرائے شام میں بودوباش رکھتا ہے۔والدہ ماجدہ ''آل مرادی قبیلہ'' سے تھیں۔
دمشق کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔پھر بیروت کے کالج میں تعلیم پاکر سند حاصل کی اسکے بعد استنبول چلے گئے۔اور والدین کے پاس رہے۔اسی دوران میں مدرسہ غالطہ سرائے میں داخل ہو گئے۔پھر حصول تعلیم کے لئے پیرس چلے گئے اور وہاں ''لا کالج'' میں داخل ہو کر اعلیٰ قوانین کی اسناد حاصل کرکے۔واپس استنبول چلے آئے اور محکمۂ خارجیہ میں ملازم ہو گئے۔ والد نے اس وقت بھی ان کی تعلیم سے غفلت نہ برتی۔اور ایک اتالیق، اسلامی فقہ وغیرہ کی تعلیمات دینے کے لئے مقرر کیا۔محکمۂ

مملكة سوريه

رئيس جمهوريهٔ سوریه محمد علی بیگ آل عابد

خارجیہ میں عملاً اپنی خدمات کا بہترین ثبوت دیا۔ جس کے باعث سلطان عبدالحمید کے دربار تک ان کی آمدورفت ہونی شروع ہوئی اور سلطان نے ۱۹۰۸ء میں بطور رٹ کی سفیر ان کو واشنگٹن روانہ کردیا۔ اور یہ معہ اپنے عیال کے وہاں چلے گئے۔

یہ کچھ عرصہ واشنگٹن میں سفارت کی خدمات سرانجام دینے پائے تھے کہ ۲۳ جون ۱۹۰۸ء کو عثمانیوں نے نئے دستور سیاسی کے اعلان کے مطابق، جدید آئین سیاسی مرتب کئے۔ اسی دوران میں ان کے والد استنبول سے ایک خاص جہاز پر سوار ہوکر فرار ہوگئے۔ جب ان کو یہ علم ہوا تو بہت گھبرائے اور پریشان خاطر ہوکر عزم سفر اختیار کیا۔ اور یہ کیلو فورونیا کو روانہ ہوگئے۔ اپنے والد سے ملاقات کی۔ پھر یہ اپنے والد کے ہمراہ سوئیٹزرلینڈ، فرانس، انگلستان اور مصر کی سیاحت میں مشغول رہے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر یہ لوگ مصر میں تھے۔ اور اسی جگہ ان کے والد نے وفات پائی۔

۱۹۲۰ء میں محمد علی بیگ ملک شام پہنچے اس وقت شام پر فرانسیسیوں کا قبضہ تھا۔ پھر جب ۱۹۲۲ء میں فرانسیسی جنرل غوروے نے حکومت سوریہ کی جدید تشکیل کی تو ان کو وزیر مالیہ مقرر کیا۔ یہ ایک سال تک اس منصب پر فائز رہے ۳۰۔ اپریل ۱۹۳۲ء کو شام کی طرف سے وفد منتخب ہوا۔ اور ۱۴۔ جون ۱۹۳۲ء کو جمہوریہ شوریہ کے فرانسیسیوں کی طرف سے، یہ صدر قرار پائے۔ اور عہدنامہ کیا کہ فرانس کے ہر آئین وقوانین بلا بحث وتمحیص اور حجت وغیرہ کے اپنی جمہوریہ میں رواج دیتا رہوں گا۔

یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ ان کے پاس اپنی ذاتی دولت ایک ملین پونڈ ہے اور مکانات وغیرہ بیروت، مصر، شام وترکستان میں بکثرت ہیں۔ ان کی مادری زبان عربی ہے۔ فرانسیسی اور ترکی میں اتنا عبور حاصل ہے کہ گویا یہ ان کی مادری زبان ہیں۔ ادبیات، اقتصادیات اور خاصکر فرانسیسی ادب کے ماہر ہیں۔ قریب قریب ترکی و فرانسیسی ادب کی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو ان کی نظر سے نہ گزری ہو۔ انگریزی اور فارسی زبان میں بھی اچھی دسترس ہے

بغاوت سوریہ کے اسباب

میسلون کی لڑائی کے بعد، ۲۴۔ جون ۱۹۲۰ء کو سوریہ کا میدان فرانسیسیوں کے لئے خالی ہوگیا۔ اُن لوگوں نے شام میں داخل ہو کر دارالحکومت پر قبضہ کر لیا۔ ملک فیصل، جو کہ ملک سوریہ کا جائز حقدار تھا۔ وہاں سے بدر کر دیا گیا۔ اور عدم داخلہ کے فوجی احکام نافذ کر کے ملک کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ ایک حصہ کا دوسرے سے تعلق نہ رہے۔

اوائل ستمبر ۱۹۲۰ء میں جنرل غورو نے بیروت میں لبنان کی حکومت قائم کر کے کپتان ترابو کو وہاں کا حاکم عام مقرر کر دیا۔ پھر ۸۔ ستمبر ۱۹۲۰ء کو ایک علوی حکومت لاذقیہ میں قائم کی پھر ۱۵۔ ستمبر کو اسی سال حلب کی حکومت قائم کی اسکے بعد دمشق کی حکومت قائم کر کے حمص، حماہ، اور حوران کو اس میں شامل کر دیا۔ پھر سنجق اسکندرونہ کی حکومت قائم کی۔ اہل سوریہ نے ان حصوں کی تقسیم پر بہت زور شور سے احتجاج کیا جنرل غورو نے ۲۸۔ جون ۱۹۲۲ء کو دوسرا اعلان کیا جس کی رُو سے اتحاد سوریہ کی حکومت قائم کی جو دمشق،

حلب دارالعلویین کی حکومتوں پر بنیادیں رکھیں اور پایۂ تخت حلب قرار
پایا۔ ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو جبل الدروز کی ایک الگ حکومت قائم کی۔
۲۵۔ دسمبر ۱۹۲۴ء کو جنرل فیجاں نے اتحاد سُوریہ کو منسوخ کرنے کا
علان کیا۔ اور ایک نئی حکومت قائم کی جس نے حلب اور دمشق کی حکومتوں
و علیحدہ کر دیا۔ پایۂ تخت دمشق قرار دیا۔ چنانچہ اسی سبب علویہ حکومت
س الحاق سے الگ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سُوریہ کی حکومت پانچ حکومتوں کی شکل
میں متشکل ہو گئی۔ اور مندرجہ ذیل یہ نام قرار پائے۔
حکومتِ سُوریہ۔ حکومتِ لبنان۔ حکومت العلویین۔ حکومت جبل الدروز
حکومت سنجق اسکندرونہ۔
سُوریہ کے باشندوں نے اس تخریب کو محسوس کیا۔ فرانسیسیوں کے
سیاسی ارادوں کو بھی بھانپ لیا۔ اور یہ اندازہ کیا کہ فرانسیسی اس زعم میں
ہیں کہ باشندوں کے احساسات کا اندازہ لگا کر اپنے جدید قوانین نافذ کریں۔
چنانچہ ان لوگوں نے اپنے غم و غصہ کے مظاہرے کر کے فرانس اور لیگ آف نیشنز
کو اس تخریب سے آگاہ کیا۔ لیکن اس نے شنوائی نہ ہوئی جب یہ سب طرف سے
مایوس ہو گئے تو ۱۶۔ جون ۱۹۲۵ء کو سلطان پاشا الاطرش کی قیادت میں
بغاوت کا آغاز کر کے فرانسیسی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ فرانسیسیوں نے اب اس
آغاز کو اپنی حکمت کے خلاف جانتے ہوئے اہل سُوریہ کو مفاہمت کی دعوت
دی۔ اور مُلک کی تخریب کا جائزہ کرنے کے لئے ایک نیا
گورنر مقرر کیا۔ جس ڈیڑھ سال تک صورت حالات کا اندازہ لگانے کے بعد

۱۲- فروری ۱۹۲۸ء کو حکومت فرانس نے داماد احمد پاشا نامی کو منسوخ کر کے
۱۵- فروری ۱۹۲۸ء کو شیخ تاج الدین حسنی کی ریاست میں اپنی حکومت قائم کی -

۷- جون ۱۹۳۲ء کو اسی فرانسیسی گورنر کے حکم سے سُوریہ پارلیمنٹ کے نئے انتخابات شروع ہوئے اور بہت جنگ و جدل کے بعد ۱۴- جون ۱۹۳۲ء کو محمد علی بیگ العابد کثرت آراسے جمہوریہ سُوریہ کے صدر منتخب ہو گئے -

سُوریہ کا نظام حکومت

۲۰- مئی ۱۹۳۰ء کے فرانسیسی گورنر کے اعلان کی رُو سے جمہوریۂ سُوریہ، اسلامی حکومت قرار دی گئی - یہاں ایک پارلیمنٹ ہے جس کے ۶۹- اراکین ہیں - یہ قوانین کا نفاذ کرتی ہے پھر یہ قوانین صدر جمہوریہ کے پاس منظوری کو جاتے ہیں - صدر کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ انہیں قبول کر کے رواج دینے کا حکم دے یا خط تنسیخ پھیر دے - میعاد صدارت پانچ سال ہوتی ہے اسکے بعد نئے صدر کا انتخاب ہوتا ہے - جو صدر اپنی میعاد ختم ہونے پر مزید پانچ سال کا زمانہ اپنی خانگی زندگی میں بسر نہ کرے - نئے انتخاب میں منتخب نہیں ہو سکتا وزرائے حکومت کی تعداد سات ہے -

شرق الاردن

جغرافیائی و تاریخی حالات

فیصل کی حکومت دمشق کے خاتمے پر جنوبی دمشق میں ۱۹۲۱ء سے حکومت شرق الاردن قائم ہوئی۔

حدود اربعہ۔ شمال کی طرف سُوریہ اور عراق، مشرق کی طرف نجد، جنوب کی طرف حجاز، مغرب کی طرف نہر الاردن، بحر المیّت و فلسطین واقع ہوئے ہیں۔

رقبہ ۴۰۰۰۰ مربع کیلومیٹر ہے۔ آبادی چار لاکھ افراد کی ہے۔ جن میں تیس ہزار عیسائی دس ہزار چرکسی اور باقی سب عرب سنی المذہب مسلمان ہیں۔ زراعت پیشہ طبقہ ابھی تک اپنے اندر بدوی خصائل رکھتا ہے۔ پایۂ تخت عمّان ہے۔ مشہور شہر یہ ہیں۔ سلط۔ کرک۔ مادبا۔ طفیلہ۔ اربد۔ جرش وغیرہ میں باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ اور یہی ان کا ذریعۂ معاش ہے۔

شرق الاردن حکومت برطانیہ کے ماتحت ہے۔ ایک معاہدہ کی روسے انگریزوں نے والیِ شرق الاردن کو قبضہ واقتدار دیدیا ہے۔ لیکن مُلکی فوج ایک انگریز افسر کے ماتحت ہے۔

یہاں کی حکومت دستوری، نیابی، دیمقراطی ہے اور امیر عبداللہ بن حسین کی صدارت میں سرانجام پاتی ہے۔

امیر عبداللہ بن حسین کی پیدائش و تربیت ماہ ربیع الاوّل ۱۲۹۹ھ کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے محل میں دوسرے بھائیوں کے ہمراہ قابل اساتذہ سے پڑھنا لکھنا سیکھا۔ جب یہ چودہ سال کے ہوئے تو ۱۳۱۴ھ میں اپنے والد کے ساتھ استنبول گئے۔ جوانی اسی جگہ گزاری اپنے بھائیوں کے ہمراہ یہاں کے اساتذہ سے زبان سیکھ کر ترکی ادبیات میں مہارتِ تامہ حاصل کی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء جب ان کے والد سلطان ترکی کی طرف سے شریف مکہ مقرر ہوئے تو استنبول سے مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے ۱۳۲۷ھ میں عثمانی حکومت کی پارلیمنٹ میں اہل مکہ کی نمائندگی کی اور اپنے بھائی ملک فیصل کے ہمراہ استنبول گئے۔ پارلیمنٹ کے اختتام پر مکہ اپنے والد کے پاس چلے آئے۔ اور ملکی معاملات میں اپنے والد کو ہر طرح کی امداد دیتے رہے۔ یہ شجاعت میں بھی بہت مشہور ہیں کئی معرکوں میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کی بہادری ضرب المثل ہے۔ جنگ عظیم کے بعد عمّان چلے گئے۔ اس وقت شرق الاردن کی حکومت طوائف الملوکی کے دور سے گزر رہی تھی۔ یہاں کے باشندوں نے انکا بہت زور شور سے استقبال کیا۔ اور لوگوں کو یقین ہوگیا کہ موجودہ مصائب سے ہیں انہی کے ذریعہ نجات حاصل ہوگی۔ پھر یہ بیت المقدس گئے۔ اور وہاں انگریزی حکومت کے وزیر مستعمرات مسٹر چرچل سے ملاقات کی۔ اور ۱۹۲۱ء میں وزیر موصوف سے یہ طے کرلیا کہ شرق الاردن میں ایک مدنی حکومت قائم کی جائے۔ چنانچہ ۱۱ اپریل ۱۹۲۱ء کو عمّان میں اسی طرح کی ایک حکومت قائم کردی گئی۔

نظام حکومت نظام حکومت دستوری اور نیابی ہے۔ زمام حکومت

مملكة شـــرق الاردن

جلالــة الملك عبــدالله إبن الحسين

امیر عبداللہ بن حسین کے ہاتھ میں ہے۔ اوران کی وفات کے بعد اُن کے بڑے لڑکے کو وراثت میں ملے گی۔ ایک معاہدہ یہاں کے انگریز ہائی کمشنر اور امیر کے مابین طے پایا۔ جس کے ۲۷ دفعات ہیں۔ جن میں سے ۱۶ دفعات امیر عبداللہ اور اس کے خاندان کے حق میں ہیں۔ ولی عہد بھی امیر کی نسل سے ہی ہو گا۔ دفعہ ۲۰ کی رو سے امیر اپنے وزرا کا خود انتخاب اور خود ہی برخاست بھی کرسکتا ہے۔ اور قوانین وغیرہ بھی خود ہی نافذ ومنسوخ کرسکتا ہے جو انگریزی ہائی کمشنر یہاں تعینات ہیں۔ وہ بیت المقدس اور شرق الاردن دونوں حکومتوں کی نگہداشت کرتا ہے۔

حیدرآباد دکن

جغرافیائی وتاریخی حالات

ہندوستان کی اسلامی ریاستوں میں سے۔ بلحاظ ثروت واقبال حیدرآباد دکن سب سے بڑی ریاست ہے۔ اور دیگر ریاستوں کی مانند یہ بھی حکومت برطانیہ کے زیراثر ہے۔

رقبہ ۸۲۶۹۸ مربع میل ہے بشمول ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۱۱۲۲۶۱۳ ہندو، ۱۷۳ لاریا، ۳۶ برہو، ۲۰ بورہ، ۲۱۲۶۰ جینی، ۲۷۴ سکھ ۱۳۰۰۹۹۰ مسلمان، ۵۴۲۹۹ اجنبی، ۱۵۲۹ پارسی، ۱۲ یہودی، ۲۲۲۸۵۷ مینج قومیں ہیں۔ حضور نظام کی فوج مختلف اقوام پر مشتمل

ہے۔ ریاست کے بڑے بڑے شہر یہ ہیں اورنگ آباد، نظام آباد، گلبرگہ، عادل
سکندرآباد وغیرہ وغیرہ۔

سکندرآباد کی آبادی زیادہ تر غیر ملکیوں کا مجموعہ ہے۔ ریاست حیدرآباد
اپنے ملکی نظام میں خودمختار ہے۔ یہاں کے لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ ہیں۔ موجود
حکمران ہزاگزالٹیڈ ہائینس میر عثمان علی خان بن محبوب علی خان ہیں جن کی
تصویر زیب قرطاس ہے۔

حضور نظام عثمان علی خان کی پیدائش و تربیت

۱۸۸۶ء کو حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے

اور اپنے والد میر محبوب علی خان کی نگرانی میں حیدرآباد کے مدارس میں تعلیم پائی
قرآن حکیم کی تعلیم میں خاص دسترس ہے۔ اُردو، فارسی، ترکی و انگریزی خوب
اچھی طرح بولتے ہیں۔ عربی بھی بول سکتے ہیں۔ مگر گفتگو میں کچھ دقت واقع ہوتی
حضور نظام بے شمار صفات سے متصف ہیں۔ اور دین قیم پر سختی سے عامل ہیں
اس کی نشرواشاعت کے لئے ممالک غیر سے کتابیں منگوا کر اپنی ملکی زبان
ترجمہ کرالیتے اور ہزارہا روپیہ سالانہ خرچ کرتے ہیں۔ اوام
نواہی کے پابند ہیں۔ جودوسخا میں اپنا ثانی نہیں رکھتے جاہ وحشم
گریز کرتے ہیں۔ رعایا کے حقیقی معنوں میں خیرخواہ ہیں۔ حضور نے ۱۹۱۸ء
گورنمنٹ برطانیہ کی جانب سے فوجی اعزاز "لفٹننٹ جرنل" حاصل کیا۔ ا
سابق ملک معظم جارج پنجم نے "ہزاگزالٹیڈ ہائینس" کا اعزاز بھی عطا کیا۔

ولی عہد کا نام شہزادہ نواب میر محمد اعظم جاہ ہے جنہوں نے ۱۹۳۱ء

مملکۃ حیدر آباد دکن

هز اکزالٹڈ هائینس میر عثمان علی خان نظام دکن

خلیفہ عبدالمجید سابق فرمانروائے ٹرکی کی صاحبزادی شہزادی دُرِّشہوار سے شادی کی ہے۔

حضور کی تخت نشینی کے حالات ۲۹۔ اگست ۱۹۱۱ء کو ان کے والد میر محبوب علی خان نے انتقال کیا اور اسی روز یہ تخت پر بیٹھے اس وقت سے لیکر آج تک اپنے مُلک کی جملہ خدمات نہایت ہی قابلیت اور خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ آصفیہ خاندان کے دسویں پادشاہ ہیں۔ اس خاندان اور حکومت کے بانی قمرالدین خان، فاتح جنگ نظام الدولہ ہیں جو محمد شاہ پادشاہ دہلی کے وزیر اور گجرات اور دکن کے گورنر تھے۔ ۱۷۲۳ء کو دکن میں اپنی حکومت قائم کی۔ اور اپنے لئے آصف شاہ کا لقب تجویز کیا۔ ان کی وفات پر نظام علی خان آصف شاہ ثانی، ناصر جنگ، نواب صلابت جنگ، اسکندر شاہ، نواب ناصر الدولہ، افضل الدولہ، میر محبوب علی خان یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے۔ آجکل میر محمد عثمان علی خان موجودہ فرمانروائے دکن ہیں۔

نظام حکومت نظام حکومت کی روح اسلامی۔ اور تمدنی ہے۔ موجودہ حکومت قوانین اور ضوابط کے ماتحت کام کرتی ہے حکومت کا وزیراعظم ایک ہندو ہے جسکے ماتحت متعدد وزارتیں ہیں مثلاً مالیہ۔ حربیہ۔ خارجیہ عدلیہ۔ معارفیہ۔ اوقاف وغیرہ۔ رئیس وزارت کے ماسوا تمام وزرا مسلمان ہیں۔

حکومت آصفیہ میں ۱۹۱۶ء تک کوئی وزارت وغیرہ کا سلسلہ نہ تھا بلکہ پادشاہ خود احکام کا نفاذ کرتا تھا۔ آخر بڑے غور وخوض کے بعد اسی سال وزارتوں کی بنیادیں قائم کرکے سات وزیر اور ایک رئیس وزارت منتخب

کئے گئے۔

اسی طرح فوج کی اصلاح کر کے جدید تعلیمات حرب سے ان کو ترتیب دیا یہاں ایک پلٹن عربی نظامی ہے جسکا قائد شیخ محسن سعید حضرمی ہے۔ دوسری عربی پلٹن جو غیر نظامی ہے۔ اس کا قائد سلطان صالح القعیطی ہے۔ ایک ترکی نظامی پلٹن ہے۔ علاوہ بریں ایرانی اور حبشی افواج بھی ہیں۔ حضور نظام کے پاس ایک ہاتھیوں کی فوج بھی تھی جس میں ۲۵۰ ہاتھی تھے۔ جب موجودہ آلات جنگ کے لحاظ سے اس کی ضرورت نہ سمجھی تو اس فوج کو توڑ دیا۔ چنانچہ اس ہاتھیوں کے لشکر میں وہ وہ ہاتھی تھے۔ جو دنیا میں بڑے عمدہ شمار ہوتے تھے۔

بالآخر حضور کو خیال آیا کہ جدید آئین جنگ سے اپنی افواج کو آراستہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے اپنی ریاست میں ایک حربیہ کالج کھول دیا جس میں تعلیم ہوتی ہے اور یہاں ایک انگریزی فوج بھی ہے جو گورنر جنرل ہندوستان کے ماتحت ہے۔

البانیہ

جغرافیائی اور تاریخی حالات

یورپ میں صرف البانیہ ہی ایک ایسی اسلامی حکومت ہے جو مستقل اور خودمختار ہے۔ اٹلی کا اثر و اقتدار اس میں زیادہ ہے۔ رقبہ چالیس ہزار کیلومیٹر مربع ہے۔

مملكة آلبانيا

جلالة ملك آلبانيا احمد ماتي زوغو الاول

حدود اربعہ۔ شمال کی جانب ژیکوسلافیہ، شرق وجنوب کی جانب یونان، غربی جانب بحرایڈریاٹک واقع ہوئے ہیں۔ پایۂ تخت تیرانا ہے۔ آبادی ۱۹۲۷ء کی مردم شماری کے حساب سے ۸۰۳۶۱۸ افراد کی ہے۔ جن میں ۱۸۲۰۵۱ اورتوڈکس ہیں ۸۸۷۹۳ رومن کیتھولک، ۲۳ یہودی باقی سب مسلمان ہیں جوکہ امام ابوحنیفہؒ کے پیرو ہیں۔ یہاں کے باشندوں کی زیادہ تعداد اٹلی، یونان، اورامریکہ میں مقیم رہتی ہے۔ بڑے بڑے مشہور شہر سکوتاری۔ غورتیزا۔ بصان برات۔ فالونا۔ دراج۔ الیسیو۔ وبرہ وغیرہ ہیں۔

یہاں کے باشندوں کی مادری زبان البانی ہے۔ جوکہ یورپی اور ہندی لغات سے مشترک ہے۔ اس زبان کو اہل ملک نے ۱۸۷۹ء سے لاتینی حروف میں لکھنا شروع کیا ہے۔ علاقہ تمام تر پہاڑی ہے۔ باشندے عموماً بہادر ہوتے ہیں۔ اگرچہ ملک یورپ میں واقع ہے لیکن باشندے زیادہ تر قبائلی اوصاف سے متصف ہیں۔ گزراوقات زیادہ تر زراعت پر ہے اپنے ملک کی پیداوار یہاں کے باشندے اپنے دیگر ہموطنوں کو جوکہ یونان اٹلی، اورامریکہ میں مقیم ہیں تجارتی اجناس کے طورپر روانہ کرتے ہیں۔ اور وہ اسے ان ممالک میں فروخت کرتے ہیں۔ فوجی خدمات جبری ہیں۔ سپاہ ۵۰۰۴ ہے۔ پولیس ۳۵۰۰، فوج وپولیس کے انتظام کا صدر ایک اٹالین افسر ہے۔ نظام حکومت خود اختیاری ہے۔ موجودہ حکمران احمد ماتی زوغوالاول ہیں جنکی تصویر زیب قرطاس ہے۔

احمد ماتی زوغوالاول کی پیدائش وتربیت

مورخہ ۱۸۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء ماتہشر میں جوان کے قبیلہ

کی مستقل اقامت ہے پیدا ہوئے۔ والد کا نام جمال پاشا مانی زوغو ہے۔ والدہ فاطمہ خانم طوبطانی ہے۔

بچپن سے جوانی تک شہر مات میں رہے۔ اور اسی جگہ نشو و نما پائی۔ پھر استنبول چلے گئے۔ یہاں ان کے والد وزارت حربیہ کے ایک عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ والد نے ان کو غلطہ سرائے مدرسہ میں داخل کیا۔ یہاں سے کامیاب ہونے پر قانون کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ اور اسی قانونی کالج میں جنگ عظیم کے آغاز تک رہے۔ پھر براستہ ترکو سلافیہ اپنے ملک البانیا کو چلے گئے۔ اسوقت البانیا ترکوں کے اثر و اقتدار سے نکل چکا تھا انہوں نے اپنا قیام شہر مات میں کیا۔ اور یہ یہاں کے رئیس قرار پائے۔

نمسا حکومت جنگ عظیم کو غنیمت جان کر البانیا کے شمالی علاقہ پر قابض ہو گئی۔ اسی طرح اٹلی نے غربی حصہ پر قبضہ کر لیا اور فرانسیسی بھی غور تیز میں داخل ہو گئے۔ تمام ملک میں صرف غور تیزا ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں کسی غیر ملکی سپاہ کو داخل ہونے کی جرات نہیں ہوتی تھی کیونکہ یہاں کے باشندے بڑے بہادر اور شجاع واقع ہوئے ہیں۔ اور کسی غیر ملکی کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ یہ شہر یعنی غور تیز امات کے علاقہ میں واقع ہے۔ جب احمد بیگ زوغو کو علم ہوا تو انہوں نے غیر ملکی حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور سب کے ارادے کو خاک میں ملا دیا۔

جب طرخان پاشا کی عارضی حکومت کا خاتمہ ہوا تو۔ ۲۔ فروری سن ۱۹۲۰ کو علاقہ مات کی طرف سے ایک وفد مقرر ہوا۔ اس وقت البانیا اٹلی کے زیر

کیا تھا۔ البانیا کے باشندوں نے ایک مجلس اعلیٰ قائم کی جو چار ممبروں پر مشتمل تھی۔ اور مجلس اعلیٰ صدارت سلمان بیگ دلفینو کے سپرد کی۔ صدر مجلس اعلیٰ نے ایک وزارت ترتیب دی جس میں احمد بیگ زوغو کو وزیر داخلیہ مقرر کیا گیا۔

۵۔ دسمبر ۱۹۲۲ء کو سلمان بیگ نے وزارت کی صدارت سے استعفا دیدیا۔ اور احمد بیگ زوغو نے اپنے اثر و اقتدار سے اپنی ریاست میں وزارت قائم کی۔ یہ سلسلہ مارچ ۱۹۲۴ء تک قائم رہا اس کے بعد یہ اس وزارت کی صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ اور شوکت فرلاشی بیگ اس عہدہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ان کے معاونین میں سے تھے۔ اس جمعیت کے مقاصد یہ تھے کہ نظام جمعیۃ وطنیہ قائم کی جائے۔ اس جدید انتخاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمد بیگ زوغو کے دشمنوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ انہوں نے بغاوت کرنیکا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور جون ۱۹۲۴ء میں بغاوت پیدا ہو گئی۔ باغیوں نے سکوتاری پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت احمد بیگ زوغو مقابلہ کی تاب نہ لاکر ژیکو سلافیہ کو روانہ ہو گئے۔ ۱۱۔ جون ۱۹۲۴ء کو فان نولی نے جو کہ بغاوت کا زعیم اور تو ڈکس قبیلہ کا پادری تھا۔ ایک نئی حکومت قائم کر دی۔

احمد بیگ زوغو، ژیکو سلافیہ میں اپنا کام کرتے رہے۔ وہ وہاں ایک نئی فوج کی ترتیب میں مشغول رہے۔ اور ۱۵۔ دسمبر ۱۹۲۴ء کو اپنی فوج کو ہمراہ لیکر البانیا پر حملہ کر دیا۔ ۲۳۔ دسمبر ۱۹۲۴ء کو تیرانہ پر قبضہ جما لیا۔ باغی افواج اٹلی کی طرف بھاگ گئیں۔ ۸۔ نومبر ۱۹۲۵ء کو احمد بیگ زوغو نے ایک نئی جمہوریت قائم کی جس نے مجلس وطنی کو فوراً طلب کر کے ایک جدید نظام

جمہوری ترتیب دیا۔ اس جمہوریہ کے صدر احمد بیگ زوغو مقرر ہوئے پھر ش
ستمبر ۱۹۲۸ء میں جمہوریہ کا نظام بدل دیا گیا۔ اور ملوکیت کا نظام قائم ہوا
پادشاہ احمد بیگ زوغو قرار پائے۔

البانیا کی خود مختاری

ستمبر ۱۹۱۲ء تک البانیا کی حکومت عثمانیہ کے زیر اثر تھی۔ اسی دوران میں جنگ بلقان کا آغاز ہوا۔ اور بلقانی کامیابی حاصل کرتے ہوئے مقدونیہ کی سرحد کو عبور کر گئے تو ۲۸۔ نومبر ۱۹۱۲ء البانیا نے اپنی خود مختار حکومت قائم کی۔ اور فالونا اس کا پایۂ تخت مقرر کیا۔ ممالک غیر کے سفیروں نے اس حکومت کو قبول کر لیا۔ ش دسمبر ۱۹۱۲ء میں اس جدید حکومت نے اپنے ملک کی حد ود بندی بھی کر لی او ۳۔ دسمبر ۱۹۱۲ء کو امیر علیون دیوڈونی حکومت کے رئیس مقرر کر لئے گئے۔ یہ زیاد عرصہ نہ رہنے پائے تھے کہ ۳۔ ستمبر ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم کے آغاز میں اپنے ع سے مستعفی ہو گئے۔ پھر ان کی جگہ اسعد پاشا طوبطانی نائب الملک قرار پائے۔

۱۳۔ دسمبر ۱۹۱۸ء کو درآج میں البانیا کی وطنی جمعیت کا اجلاس ہوا اور جمعیت نے عارضی طور پر طرخان پاشا کو رئیس مقرر کر لیا۔

۲۰۔ اگست ۱۹۱۹ء کو اس عارضی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور ا کے ساتھ یہ معاہدہ طے پایا کہ البانیا اٹلی کے زیر اثر رہے گا البانیا کے باشند نے اس کے برخلاف احتجاج کیا۔ اور ۲۔ فروری ۱۹۲۰ء کو نی الفور بمقام جمعیت وطنیہ کا اجلاس کر کے طرخان پاشا کی حکومت کو منسوخ کر کے ایک مجلس قائم کی۔ یہ چار ارکان پر مشتمل تھی۔ جو اپنا کام سرانجام دیتی رہی۔ پھر فرو

۱۹۲۵ء میں "جمہوریت البانیا" قائم ہوئی۔ جس کے رئیس احمد بیگ زوغو مقرر ہوئے۔ شروع ستمبر ۱۹۲۷ء میں جمعیۃ وطنیہ منعقد ہوئی جس نے جمہوریت کا خاتمہ کردیا۔ اور ملکی حکومت قائم کرکے احمد بیگ زوغو کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔

البانیا کا نظام حکومت نظام حکومت بظاہر دستوری اور ملکی ہے۔ مگر دراصل ڈکٹیٹرانہ انداز ہے۔ بادشاہ اپنے ملک میں ہر لحاظ سے آزاد اور خود مختار ہے۔ اس کی ہر آواز پر اہل ملک لبیک کہتے ہیں یہاں کے رئیس وزارت کی بادشاہ کے سامنے کوئی وقعت نہیں ہے۔ اور نہ رئیس کسی بات کا نفاذ کرسکتا ہے تاوقتیکہ بادشاہ کے احکام اس کے جواز میں نہ ہوں۔ یہاں چھ وزارتیں ہیں۔ جنکو داخلیہ۔ خارجیہ۔ حربیہ۔ زراعیہ۔ مالیہ اور عدلیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک پارلیمنٹ ہے جو ۷۲۔ اراکین پر مشتمل ہے۔ یہ اراکین تین درجوں پر منقسم ہیں۔ ایک گروہ کو جماعت حزب الرئیسیہ کہتے ہیں۔ دوسرے کو حزب الشعبیہ اور تیسرے کو حزب المحافظین۔

مغربُ الاقصیٰ

جغرافیائی اور تاریخی حالات

اسلامی ممالک کے تناسب سے یہ ملک شمالی افریقہ میں واقع ہے۔ اور بلحاظ رقبہ و آبادی کے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس کے حصے تین حکومتوں کے زیر اثر ہیں یعنی فرانس۔ اسپین، اور سلطان ہیں۔

رقبہ ۵۲۰۰۰۰ مربع کیلومیٹر ہے۔ جس میں سے ۴۱۵۰۰۰ مربع کیلومیٹر فرانس کے قبضہ میں ہے۔ ۱۴۶۰۰ مربع کیلومیٹر اسپین کے زیر اثر ہے۔ اور ۳۸۰ مربع کیلومیٹر سُلطان کے اقتدار میں ہے۔

فرانسیسی رقبہ کی آبادی ۱۹۲۶ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ۴۷۵۰۰۰۰ افراد کی ہے جن میں ۴۲۱۶۸۲۶ عربی النسل مسلمان ہیں اور مالکی مذہب کے پیرو ہیں ۱۲۱۵۷۱ یہودی ہیں جو اپنے آپ کو مغربی باشندے کہتے ہیں اور ۶۶۲۷۷ فرانسیسی ہیں۔ اسپین اور سلطان کے رقبہ کی آبادی ۷۰۰۰۰۰ نفوس کی ہے۔ اور یہ سب عربی النسل مسلمان ہیں۔

حدود اربعہ۔ الجزائر، اور اسپین کی مورتیانی، بحر محیط، اور صحرا اطراف و جوانب میں واقع ہوئے ہیں۔ زیادہ تر حصہ پہاڑی ہے۔ پہاڑی باشندے ابھی تک بدوی خصائل سے متصف ہیں۔ اور آئے دن فرانس و اسپین سے برسر پیکار رہتے ہیں۔

دارالحکومت رباط الفتح ہے۔ اس سے قبل مراکش اور فاس تھے مشہور شہر یہ ہیں۔ الدارالبیضاء مکناس۔ سلا۔ تازا۔ یہ فرانسیسی علاقہ میں ہیں ملیلا، ثوتا، طیطوان۔ العریش۔ القصر یہ اسپین میں واقع ہیں اور طنجہ سلطان کے علاقہ میں ہے۔

موجودہ حکمراں سُلطان محمد بن یوسف ہیں جنکی تصویر زیب قرطاس ہے۔

سلطان محمد بن یوسف کی پیدائش و تربیت

مغرب الاقصیٰ کے قدیم پایۂ تخت فاس میں پیدا

مملكة مغرب الاقصى

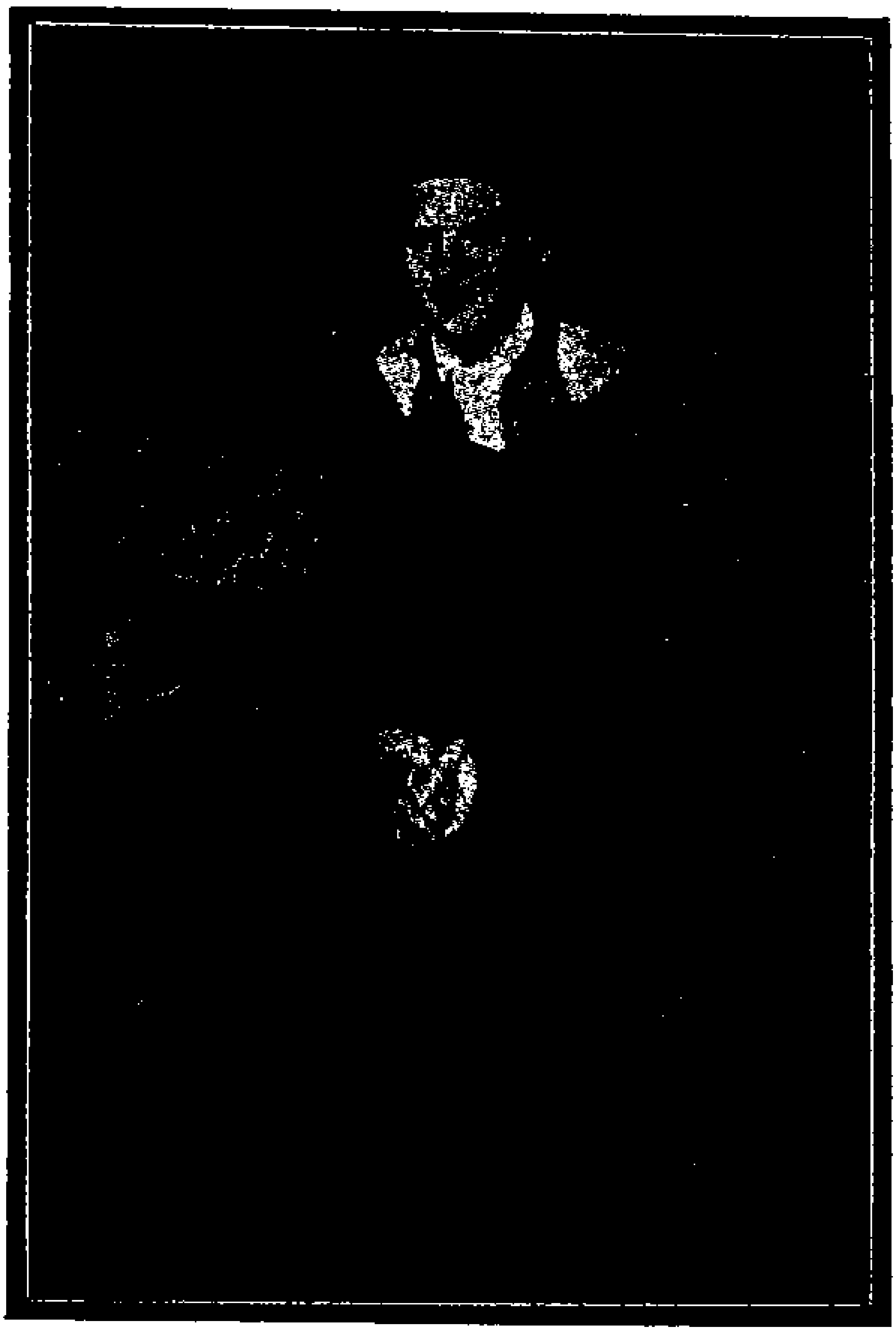

جلالة سلطان محمد بن يوسف

ہوئے۔ ان کے والد سلطان یوسف بن مولائے الحسن اشراف تافیلات الحسنین کی نسل میں سے ہیں شہر ینبع جو حجاز میں واقع ہے۔ ان کا اصلی آبائی مسکن تھا لیکن ۱۶۶۴ء میں ان کے اجداد وہاں سے ہجرت کر کے مغرب الاقصیٰ میں چلے آئے۔ اور یہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ سلطان کو یہاں خلیفہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ اور جمعۃ المبارک کے خطبہ میں ان کا نام بھی پڑھا جاتا ہے۔ یہاں کے باشندے ترکی خلیفہ کو خلیفۃ المسلمین نہیں مانتے تھے۔

محمد بن یوسف نے اپنے والد کے محل میں تربیت پائی اور ابتدائی تعلیم فاس کے مدرسہ میں مکمل کی فرانسیسی زبان بھی سیکھی پایۂ تخت جب رباط میں منتقل ہوا۔ تو یہ بھی رباط چلے آئے۔ اور یہاں "یوسفیہ مدرستہ العالیہ" میں داخل ہو کر اپنی تعلیم کو مکمل کیا۔ عربی اور فرانسیسی زبان میں ان کو اچھی مہارت ہے۔

نظام حکومت نظام حکومت شرعی ہے۔ تمام معاملات کے حل کے لئے اسلامی قوانین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ نہ دستوری نظام ہے اور نہ مدنی قوانین ہیں مگر اب دستوری حکومت کو ترجیح دیکر ایک وزارت ترتیب دی گئی ہے۔ جس کے شعبے، داخلیہ۔ مالیہ۔ اوقاف۔ عدلیہ اور خارجیہ قرار پائے ہیں وزارت خارجیہ کو ان کے رواج کے مطابق وزیر بحر کہا جاتا ہے۔

فرانسیسیوں نے اس نظام کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اور نئی وزارت قائم کر کے اس کو عدلیہ اور اوقاف وغیرہ سے ترتیب دیکر، ان پر ایک رئیس وزرا قائم کیا ہے اور اب تمام احکام و قوانین فرانسیسیوں کے مروّج ہیں۔ نیز فرانسیسیوں نے نئے شعبے قائم کر کے اُن پر ایک ناظر قائم کیا ہے اور ان صحیح نظام کو مختلف ناموں سے

معنون کیا ہے یعنی مالیہ۔ داخلیہ۔ عدلیہ۔ اور اوقاف، ان سب شعبوں کے افسران فرانسیسی ہیں۔ اِن سب محکموں پر ایک رئیس نظار ہے۔ جو کہ فرانسیسی ہے جب یہ کسی نئے قانون کو جاری کرنا چاہتا ہے تو اسے رواج دینے کے لئے رئیس وزرا کے پاس روانہ کرتا ہے وہ جسے قابل عمل جانتا ہے جاری کرنے کے احکام دیدیتا ہے اور جو سلطان کے پاس پیش کر کے رائے معلوم کرنے کے لئے ہوں۔ اسے سلطان کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

یہاں کی ملازمت ساٹھ فی صدی فرانسیسیوں کے قبضہ میں ہے اور چالیس فی صدی سلطان کے اقتدار میں۔ مگر بڑی تنخواہ کے عہدے سب فرانسیسیوں کے پاس ہیں اور مغرب الاقصیٰ کی تمام "بلدیات" بھی فرانسیسیوں کے قبضہ میں ہیں مُلکی باشندوں کی جتنی بھی سپاہ ہے سب فرانس کے زیر کمان ہے۔ فرانسیسی اپنے مفاد کے لئے اس سپاہ کو جب اور جہاں چاہیں کام میں لاسکتے ہیں۔

یہاں ایک مجلس موسوم بہ "جمعیت شوریٰ" بھی ہے۔ اس کے اراکین بھی فرنچ ہیں یہ سال میں ایک مرتبہ منعقد ہوتی ہے اور حکومت کے سالانہ مالیہ پر تبصرہ کرتی ہے لیکن دراصل فرانسیسی باشندوں پر جو ٹیکس وغیرہ ہوتے ہیں ان کو کم کر کے مُلک کے باشندوں پر بوجھ ڈالتی ہے۔

مملكة تيونس

جلالة ملك تيونس احمد بن علي بيگ الاول

ٹیونس

جغرافیائی اور تاریخی حالات

ٹیونس شمالی افریقہ میں بہت بڑا اسلامی مُلک ہے۔ اور یہ مغرب ادنیٰ میں
واقع ہے اور فرانس کے قبضہ میں ہے۔ یہاں کے بادشاہ کو "بائی" کہتے ہیں۔
۱۹۲۷ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی آبادی ۲۱۵۹۷۰۸ ہے۔
ان میں ۴۲۲۴۵ یہودی اور ۱۶۰۰۰۰ یوربین جن میں ۷۱۰۰۰ فرانسیسی
ہیں۔ اور باقی تمام عرب مسلمان ہیں بعض ٹیونس کے لوگ یہاں کی آبادی میں تین ملین
عرب مسلمان بتاتے ہیں۔

رقبہ کی مساحت ۱۶۷۴۰۰ مربع کیلومیٹر ہے اس کے دو طرف جزائر واقع
ہیں۔ اور دیگر جوانب میں طرابلس الغرب و بحر ابیض ہیں۔ پایۂ تخت ٹیونس ہے بڑے
بڑے شہر صفاقش۔ سوسہ۔ قیروان۔ بنزرت۔ قابس۔ مہدیہ وغیرہ ہیں۔
یہاں خود مختاری کے زمانہ میں پچاس ہزار سپاہ تھی۔ فرانسیسیوں نے رفتہ
رفتہ اس اثر کو زائل کر کے سپاہ کو اپنے ساتھ ملالیا۔ یہ ایک زراعتی ملک ہے
معدنیات کثرت سے ہیں۔ موجودہ "بائی" احمد بن علی بیگ ہیں جنکی تصویر
زیب قرطاس ہے۔

ملک ٹیونس احمد بن علی بیگ کی پیدائش و تربیت | ۱۳۔ شوال ۱۲۷۸ھ

کو اپنے والد کے خاص محل میں جو مرسیٰ میں واقع ہے پیدا ہوئے۔ ۱۱۔ نومبر ۲۲ء
کو ولی عہد مقرر ہوئے اور ۱۱۔ فروری ۱۹۲۹ء کو اپنے چچا کے لڑکے کی وفات پر
(جو ٹیونس کے حسینی خاندان کے سترہویں امیر تھے) تخت پر بیٹھے۔

ٹیونس میں بڑے بڑے علما سے تعلیم حاصل کرکے عربی میں دسترس حاصل کی۔ علما وادبا کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان کو حکومت ٹیونس کے خزانہ سے تین ملین فرانک سالانہ تنخواہ ملتی ہے۔ یہ حسینی خاندان کے اٹھارہویں پادشاہ ہیں۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ حسین پاشا بن علی ترکی النسل تھا۔ اور بارہویں صدی ہجری میں ترکی فوج کے ایک افسر کی حیثیت سے ٹیونس میں آیا تھا۔ کاف کے علاقہ میں اپنی فوجی خدمات کے صلہ میں افسر اعلیٰ مقرر ہوگیا۔ پھر ۱۱۱۷ھ میں اہل ٹیونس نے مرادیوں پر بغاوت کی تو یہ ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے قائد مقرر ہوا۔ اسی دوران میں حکومت عثمانیہ نے ان کو پاشا کا لقب دیا۔ اور ان کی نسل کے لئے ٹیونس کا سب علاقہ وراثت کے طور پر بحال کر دیا۔ ۱۸۸۱ء تک ترکوں کے اقتدار سے یہاں سب کچھ ہوتا رہا۔ پھر فرانسیسیوں نے قبضہ جما لیا۔

ٹیونس کا نظام حکومت

فرانسیسیوں نے ٹیونس پر قبضہ کر لینے کے بعد غیر متوقع طور پر قوانین وغیرہ کا اقتدار "بائی" کے لئے تفویض کر دیا۔ اور اسی وقت سے یہ ملک "بائی" کے زیر اثر چلا آرہا ہے۔

نظام حکومت ایک مجلس وزراء کے زیر اثر ہے جس کا رئیس اعلیٰ خود "بائی" ہے۔ "بائی" کے خود مختاری کے زمانہ میں سات وزارتیں ٹیونس میں تھیں۔ مگر موجودہ دور کی ترتیب وزارت حسب ذیل ہیں۔

وزیر داخلیہ۔ وزیر استشارہ اور وزیر عدلیہ۔ یہ وزارتیں اہل ٹیونس کے قبضہ میں ہیں
وزارت خارجیہ۔ وزارت بحریہ۔ وزارت حربیہ۔
وزیر خارجیہ کی خدمات فرانس کے ہائی کمشنر سرانجام دیتے ہیں۔ وزیر حربیہ فرانسیسی ہیں۔ یہ ٹیونس کی سپاہ کے قائد اعظم بھی ہیں۔ وزیر بحریہ فرانسیسی ہیں جنکو امیرالبحر بھی کہتے ہیں۔

نظارت کا بھی ایک ادارہ ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
داخلیہ۔ عدلیہ۔ معارف۔ اشغال عامہ۔ زراعت۔ پوسٹ وتلغراف کی نظارتیں فرانسیسیوں کے قبضہ میں ہیں۔ اور یہ سب مجلس وزرا کے اراکین میں سے ہیں۔ اس مجلس میں گیارہ فرانسیسی اور تین ٹیونس کے باشندے ہیں۔

لحج

جغرافیائی اور تاریخی حالات

لحج یمن کے نو علاقوں میں سے ایک ہے جو انگریزوں کے قبضہ میں ہے۔ اور یمن کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ ہے سب عرب مسلمان اور امام شافعی کے پیرو ہیں۔ ان کی گزراوقات زراعت پر ہے۔ ملک کا رقبہ معہ ان نو علاقوں کے دو ہزار پانصد مربع میل ہے۔ یہ عدن و یمن کے درمیان واقع ہے پایۂ تخت حوطہ ہے۔ آبادی ایک لاکھ ہے جن میں چند یہودی اور صومالی بھی ہیں مشہور شہر بیراحمد۔ دارالامیر۔ بیر فضل اور الجحفہ ہیں

کئی ایک بندرگاہ بھی ہیں جنمیں مشہور جبل حسان ہے۔ یہاں دو ہزار سپاہ رہتی ہے زمانہ جنگ میں قبائل لڑائی میں شریک ہو جاتے ہیں۔ موجودہ حکمران سلطان عبدالکریم بن علی محسن فضل العبدلی ہیں۔ جنکی تصویر زیب قرطاس ہے۔

سلطان لحج عبدالکریم کی پیدائش و تربیت

۱۲۹۰ھ کو لحج کے پایۂ تخت حوطہ میں پیدا ہوئے۔ والد مرحوم کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی۔ عربی تعلیم اور فقہ اسلامی بڑے بڑے علماء سے حاصل کیا۔ شہسواری کے کرتب بھی سیکھے۔ عربی زبان میں صرف ونحو کے اعتبار سے زیادہ مہارت ہے لکھنا پڑھنا بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ ادب میں بھی دسترس ہے اور انگریزی بھی بول لیتے ہیں۔

لحج کس طرح انگریزوں کے قبضہ میں آیا؟

جنگ عظیم کے دوسرے سال ۱۹۱۵ء میں سعید پاشا قائد ترکی افواج متعینہ یمن نے ان نو علاقوں پر حملہ کر دیا۔ جو انگریزوں کے زیر اثر تھے۔ غرض یہ تھی کہ عدن کو فتح کر کے انگریزوں کے اقتدار سے الگ کر دے۔ نیز اس بحری سلسلہ کو بھی قطع کر دے۔ جو کہ انگریزوں اور ہندوستان کے درمیان قائم ہے۔

ترکی افواج بلا مقابلہ لحج میں داخل ہو گئیں۔ یہاں کے سلطان علی ابن احمد نے اپنی آٹھ ہزار سپاہ لیکر ترکوں کا مقابلہ کیا نیز سلطان کو انگریزوں کی مدد کا بھی کامل بھروسہ تھا۔ چوبیس گھنٹے متواتر لڑائی ہونے کے بعد ترکی افواج ۴ شعبان ۱۳۳۳ھ کو حوطہ پایہ تخت میں داخل ہو گئیں

مملكة لحج

جلالة سلطان لحج عبدالكريم بن علی

لطان فرار ہوکر انگریزی افواج کی طرف چلا گیا۔ انگریزوں نے یہ سمجھا کہ
س بھی دشمنوں کی فوج کا ہے اس پر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ اور
ر پانچ گولیاں کھا کر زخمی ہو گئے تو انگریزی سپاہ کے آدمیوں نے انکو
ں سے اٹھا کر عدن پہنچایا۔ یہاں ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر اصحاب
وعقد نے جمع ہو کر رمضان ۱۳۳۳ھ کو سلطان مرحوم کے لڑکے عبدالکریم
ے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنا پادشاہ تسلیم کیا۔

حوطہ کی لڑائی اس میدان جنگ کی آخری لڑائی تھی۔ ترک لحج میں مقیم
اور انگریز عدن میں ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جب جنگ عظیم ختم ہوئی اور
ریز اور ٹرکی کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا تو انگریزوں نے اس معاہدہ
وسے قائد ٹرکی افواج متعینہ لحج کو مصر روانہ کر دیا۔ اور جب ٹرکی سپاہ
ت ہو گئی تو سلطان عبدالکریم نے ۱۲۔ ربیع الاوّل کو مع اپنے لواحقین
نگریزی افواج کی حمایت میں لحج جا کر تخت سنبھالا۔

ن پر انگریزوں کا قبضہ

انگریزوں کی نگاہ عدن کے لئے اس وقت سے للچا رہی تھی۔ جب دسویں صدی ہجری
نہوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔

۱۲۵۴ھ میں کپتان ہنس مع اپنی سپاہ کے عدن پر قبضہ کرنے کے لئے
اس نے سلطان سے مشورہ کیا۔ کہ عدن کو ہمارے حوالہ کر دو۔ اور ہم سے
زار ریال سالانہ لے لیا کرو۔ سلطان نے انکار کیا۔ تو انگریزی سپاہ نے
کا محاصرہ کر لیا ۲۵۔ شوال ۱۲۵۴ھ کو باہمی لڑائی شروع ہو گئی۔ اسی

دوران میں انگریزی امدادی فوج کے تین جہاز عدن پہنچ گئے۔ یہ پاہ ہند و وانگریزی تھی۔ بڑے زور کا حملہ کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان عدن سے ہو گیا۔ پھر ۱۲۵۵ھ میں کپتان ہنس دوبارہ عدن آیا۔ اور سلطان کے سا ایک معاہدہ کیا۔ جس کی نقل درج ذیل ہے۔

"میں سلطان محسن بن فضل اور ہماری اولاد اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ عدن میں امن وامان بحال رکھیں گے اور معاوضہ میں انگریزوں سے فی کس چھ ہزار پانصد ریال لیا کرینگے۔ ان افراد میں سلطان کا پورا قبیلہ شا ہوگا۔ اور ذیقعدہ ۱۲۵۶ھ سے یہ مشاہرہ شروع ہوگا۔ لحج کی اراضی او قبیلہ عبادلہ کی حدود سب سلطان کے قبضہ میں رہیں گی سلطان اور انگریزدو اس بات پر متفق ہیں کہ اگر اس علاقہ پر بیرونی حکومت کبھی حملہ آور ہوگی تو دو اس کی مدافعت کرینگے۔"

کچھ عرصہ کے بعد قبیلۂ عبادلہ نے عدن کو دوبارہ حاصل کرنے کے تین چار مرتبہ حملہ کیا ان میں ناکام رہا۔ اسی زمرہ میں سلطان کا مشاہرہ بند ہوگیا۔ اور جملہ رعایتیں بھی منسوخ ہوگئیں۔ چنانچہ پھر ۱۲۵۹ھ میں نے انگریزی قونصل سے صلح کر لی۔ اور وظیفہ دوبارہ مقرر ہوگیا۔

لحج کا نظام حکومت یہاں کا نظام حکومت شرع اسلام کے مطا ہے اور امام شافعی کے اجتہاد پر معاملات کرتے ہیں۔ ملک کی نگرانی سلطان خود کرتا ہے۔ ایک وزیر ہے جو ہر کا پادشاہ کا ممد ومعاون ہوتا ہے۔ اور شرعی قضاۃ بھی ہے

ین کے ماتحت جھگڑے وغیرہ کا فیصلہ کرتی ہے۔

حضرموت

جغرافیائی اور تاریخی حالات

یہ علاقہ بھی یمن کی نوآبادیات میں سے ہے جو علیحدہ ہوکر ایک صوبہ کی
ورت میں انگریزوں کے زیر اثر ہے۔

حدود اربعہ۔ مشرق کی طرف شعب وادی الزہور۔ مغرب کی طرف
ن بامعبد۔ شمال کی طرف ریگستان نجد اور ربع الخالی۔ اور جنوب کی جانب
ر العربی واقع ہیں۔ رقبہ ۱۲۰۰۰۰ مربع کیلومیٹر ہے۔ آبادی دو لاکھ ۶۰ ہزار
المذہب افراد کی ہے۔

یہاں دو حکومتیں ہیں ایک قعیطی حکومت ہے۔ جو ساحل اور علین بامعبد
غربی جانب دوعن، قطن۔ شبام۔ شحر۔ ابن دغار وغیرہ پر حکمراں ہے۔ دوسری
لی حکومت کے زیر اثر تریم سیئون اور دیگر تین شہر ہیں۔ پہلی حکومت کا پایۂ
ت مکلا ہے۔ دوسری سیئون ان دونوں حکومتوں کے تعلقات ایک معاہدہ
تحت ہیں۔

قعیطی حکومت کے مشہور شہر شحر۔ شبام۔ المکلا۔ دوعن وغیرہ ہیں۔ داخلی
ت کے مشہور شہر سیئون۔ تریم۔ غیاث وغیرہ ہیں یہاں کے باشندے
ت پر اور پھر جاوا، سنگاپور وغیرہ میں ملازمت پر گزر اوقات کرتے

ہیں۔ یہاں قبیلہ حمیر کے آثار قدیمہ کی ایک زبردست یادگار ہے۔ جو اس با
شاہد ہے۔ کہ عرب فن تعمیر میں کتنا بلند مرتبہ تھے۔ اس ملک کا تمام علاقہ
دنیا سے علیحدہ ہے اور باشندے قدیم وضع پر عامل ہیں۔ کسی اجنبی کو ملک
میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ قعیطی حکومت کی دو ہزار سپاہ بھی ہے
زمانۂ جنگ میں یہ حکومت آٹھ ہزار سپاہ مجتمع کر سکتی ہے۔ اس حکومت
کے موجودہ حکمراں سلطان صالح بن غالب القعیطی الیافعی ہیں جن کی تصو
زیب قرطاس ہے۔

سلطان صالح بن غالب کی پیدائش و تربیت

سلطان صالح بن غالب سنہ ۱۲۹۰ھ کو غالب

حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ اور اسی جگہ تعلیم حاصل کی۔ یہ ملک حضر
کے پانچویں سلطان ہیں اور حیدرآباد دکن کی عربی افواج کے قائد ا
ہیں جب سابق سلطان عمر ابن عوض حیدرآباد میں عربی افواج کے قائد
کی حیثیت سے مقیم رہتے تو اس وقت سلطان صالح بن غالب حضر
میں سلطان موصوف کے قائم مقام کی حیثیت سے سلطنت کے فر
انجام دیتے تھے۔ آپ اسلام کی نشر و اشاعت میں دلی جوش سے حص
رہے ہیں چنانچہ اسی سلسلہ میں مکہ معظمہ میں جو صنعت و حرفت کے ادار
ہوئے ہیں وہ ان کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ آپ بہت ہی غریب پر
علم دوست ہیں۔ آپ کو عربی۔ اُردو اور انگریزی زبان پر کا
حاصل ہے۔

مملكة حضرموت

جلالة سلطان حضرموت
صالح بن غالب القعيطي

تخت نشینی کے حالات جنوری ۱۹۳۶ء کو ان کا چچازاد بھائی سلطان عمر بن عوض انتقال کر گیا۔ اور یہاں کی حکومت کا دستور چلا آتا ہے۔ کہ جب بادشاہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کی جگہ اس کے خاندان کے بڑے آدمی کو تخت پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس رعایت کے یہ اہل تھے تخت پر جانشین ہو گئے

اس خاندان کا سلسلہ نسب قبیلہ یافع سے ملتا ہے۔ یہ قبیلہ ابتدا ئے یمن میں مقیم تھا۔ پھر اس قبیلہ کے افراد یمن سے ہجرت کر کے حیدر آباد دکن چلے آئے۔ اور اسی جگہ بود و باش اختیار کر لی۔ اپنی شجاعت کے باعث فوج میں مراتب حاصل کرنے لگے۔ اسی قبیلہ کا ایک شخص حاجی عمر بن عوض تھا۔ جو فوج میں ملازم تھا۔ اور اپنے تدبر و لیاقت کے باعث اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ اپنے قبیلہ میں بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرموت میں انقلاب رونما ہوا۔ اور یہ آگاہ ہونے پر حضرموت روانہ ہو گیا تاکہ اگر موقع لگے تو تاج و تخت پر قبضہ جما لوں۔ وہاں کے کچھ باشندوں کو اپنا ہمنوا بنا کر ایک فوج ترتیب دی۔ اور ۱۲۷۴ھ میں شہر شبام پر قبضہ کر لیا اس کی وفات کے بعد اس کا لڑکا عوض تخت پر بیٹھا اور اپنے باپ کی پیروی کرتے ہوئے۔ اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ ۱۲۸۴ھ میں سلطان عوض نے ہندوستان سی ایک فوج منظم کر کے جو کہ عربی النسل تھی۔ شحر پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح اپنی شجاعت و تدبر کے باعث ۱۳۱۰ھ کو حجر پر تسلط جما لیا۔ اور دوعن پر بھی قابض ہو گئے۔ تھے کہ ۱۳۲۷ھ کو فوت ہو گئے۔ اور ان کے لڑکے سلطان غالب تخت پر بیٹھے۔ ۱۳۴۳ھ کو یہ بھی انتقال کر گئے۔ پھر ان کے بھائی سلطان عمر اس کے بعد

موجودہ حکمراں سلطان صالح بن غالب تخت نشین ہوئے۔

حضرموت کس طرح انگریزوں کے قبضہ میں آیا؟

حضرموت عرصہ دراز تک اپنی داخلی وخارجی حکومت سے مطمئن رہا۔ آخرکار ۱۸۸۸ء میں سلطان عوض نے حکومت عدن کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ حضرموت انگریزوں کے زیراثر رہے گا اور کسی غیر سلطنت کو یہاں دخل نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ انگریزوں کی رضامندی حاصل نہ کرلی جائے گی۔

حضرموت کا نظام حکومت

حکومت کا نظام شرعی ہے۔ اور جو کچھ بھی قوانین وغیرہ کا نفاذ ہوتا ہے وہ سلطان کی جانب سے ہوتا ہے۔

بحری چنگی کی سالانہ آمدنی پانچ لاکھ روپیہ ہے۔ اور زراعت وغیرہ کے ذریعہ سے ایک لاکھ کی مزید آمدنی بھی ہوتی ہے۔ اس آمدنی میں سے نصف ملکی انتظامات پر خرچ ہوجاتی ہے۔ اور نصف خاص خزانہ میں جمع ہوتا ہے تاکہ وقت ضرورت پر خرچ کیا جائے۔

مسقط

جغرافیائی اور تاریخی حالات

یہ خلیج فارس میں ایک عربی حکومت ہے۔ جو ہندوستان سے قریب

مملكة مسقط

جلالة سلطان مسقط سعيد ابن تيمور البوسعيد

جتنا کویت عراق سے۔ اور یہ انگریزوں کے زیرِ اثر ہے۔ اسی طرح خلیج فارس میں چند اور بھی چھوٹی چھوٹی عربی ریاستیں ہیں مثلاً راس الخیمہ۔ الشارقہ۔ ابوظبی۔ دبی۔ قطر۔ بحرین۔ کویت وغیرہ یہ سب ریاستیں برطانیہ عظمیٰ کے زیرِ اثر ہیں۔ دیگر ریاستیں برائے نام ہیں جنکو ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

۱۹۱۳ء کی بغاوت، جو مسقط میں رونما ہوئی۔ حکومت مسقط کی کمزوری کا موجب ہوئی چونکہ حکومت مسقط نے انگریزوں کے زیرِ اثر رہنا قبول کر لیا تھا۔ اندرون ملک کے باشندوں نے اس ذلت سے متاثر ہو کر بغاوت کر دی تھی۔ اور اپنے اقتدار سے کام لیتے ہوئے باغی طبقہ نے شہر نزدی میں اپنی اسلامی حکومت قائم کر لی۔

رقبہ ایک لاکھ چالیس ہزار مربع کیلومیٹر ہے۔ ساحل کی لمبائی چار سو کیلومیٹر ہے۔ باشندے سب عرب مسلمان ہیں۔ آبادی پندرہ لاکھ ہے۔ جن میں نصف سنی المذہب ہیں۔ اور نصف اباضیہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ ہندوستان کے لوگ بھی مقیم ہیں۔ یہاں ایک خاص قسم کی کالی کھجور پیدا ہوتی ہے جو دنیا میں اور کسی جگہ نہیں ہوتی اسکو اہل امریکہ زیادہ پسند کرتے ہیں بلکہ فصل پر سب خرید لیتے ہیں۔ یہ ملک زراعتی ملک ہے۔ معدنیات بھی پائی جاتی ہے۔

مسقط، البوسعید کا پایۂ تخت ہے۔ نزدی، عمان کا پایہ تخت ہے۔ بڑے بڑے اور مشہور شہر مطرح۔ شجر۔ شیناس۔ لوا۔ برقہ۔ سہیل۔ صور۔ اور نخیل وغیرہ ہیں۔

اس کے حدود، ظفار تک جو حضرموت میں واقع ہے۔ اور قطر تک جو خلیج فارس میں ہے۔ اور بحرِ عرب سے ربع خالی تک پھیلے ہوئے ہیں۔

موجودہ سُلطان سعید بن تیمور البوسعید ہیں جنکی تصویر زیب قرطاس ہے۔

سلطان مسقط سعید ابن تیمور کی پیدائش و تربیت

سلطان سعید بن تیمور مسقط میں پیدا ہوئے

ابتدائی تعلیم اسی جگہ پائی جب سن بلوغت کو پہنچے تو بمبئی آئے اور یہاں سینٹ زیویرز کالج میں داخل ہو کر بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ پھر ۱۹۲۶ء کو بغداد روانہ ہو گئے۔ وہاں کالج میں داخل کئے گئے۔ ع. بی تعلیم کی تکمیل کی۔ پھر ایک سال بعد مسقط واپس چلے آئے۔ یہ ع. بی، اُردو، اور انگریزی میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔

کیسے تخت نشین ہوئے

۱۹۳۰ء کے اوائل میں سلطان تیمور بن فیصل مسقط سے ہندوستان آئے۔ اپنی غیر حاضری میں ولی عہدِ حکومت کو جو وزارت کے رئیس بھی تھے۔ اپنا قائم مقام مقرر کر دیا۔ ۱۹۳۱ء کے اواخر میں مُلک میں یہ مشہور ہوا۔ کہ سلطان تیمور اپنے بیٹے ولی عہد کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ رمضان ۱۳۵۰ھ کے اواخر میں سلطان تیمور نے اپنے لواحقین کو ہندوستان سے خط لکھا کہ میں اب بیماری کے باعث امور سلطنت کو سرانجام دینے کے قابل نہیں ہوں۔ اس لئے میں اپنے بیٹے موجودہ ولی عہد کو اپنا قائم مقام قرار دیتا ہوں۔ اور رؤسائے ملک کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

امیر سعید بن تیمور نے شوال ۱۳۵۰ھ کو تمام علما اور رؤسا کو اپنے محل میں مدعو کیا۔ اور ۲۔ شوال کو ایک جلسہ میں سب اہالیان مسقط نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اس حکومت کے بانی امام سیّد احمد بن سعید ہیں۔ جنہوں نے ۱۱۶۱ھ میں بنیاد ڈالی تھی۔ اور ایرانیوں کو اپنے ملک سے نکال دیا تھا۔ اُن کی وفات پر اُن کا بیٹا سعید تخت پر بیٹھا سعید کے بعد سیّد سلطان ابن احمد تخت نشیں ہوا اس کے بعد سعید بن سلطان ۔ سیّد ثوینی ۔ سیّد سالم ۔ سیّد عزّان ۔ سیّد ترکی ۔ سیّد فیصل ۔ سیّد تیمور۔ موجودہ حکمراں سعید بن تیمور ہیں۔

یہ ملک کیونکر انگریزوں کے قبضہ میں آیا

ابتدا سے عمان کی حکومت خلفائے راشدین کے ماتحت رہی۔ اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں جو سب سے پہلے گورنر یہاں مقرر ہوئے ان کا نام عمرو بن العاص تھا۔ اور یہ مصر کے فاتح بھی تھے۔ جب خلافت امویہ کے عہد میں کسی مصلحت کی بنا پر مسقط کا علاقہ الگ کر دیا گیا تو حجاج بن یوسف نے عراق پر اپنا تسلط جما لیا۔ اور اپنی سپاہ آراستہ کر کے مسقط پر قبضہ کرنے کے لیے چڑھائی کر دی اور کامیاب ہو گئے۔ جب خلافت امویہ کو زوال سے دو چار ہونا پڑا۔ تو مسقط پھر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنا ایک امام یا رئیس قرار دیکر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر امام جعفر بن منصور نے اپنے عہد میں اپنی سپاہ مسقط روانہ کی۔ جس نے امام کو قتل کر دیا۔ اور اپنا قبضہ جما لیا۔ پھر خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں دوبارہ مسقط میں علم بغاوت بلند ہوا۔ ہارون رشید نے بغاوت فرد کرنے کو فوجیں روانہ کیں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی لیکن ہارون رشید کی فوجیں پسپا ہو گئیں۔ اور مسقط میں وہی امامت کا سلسلہ قائم رہا۔ سولہویں صدی میں پرتگیزی حکومت نے حملہ

کرکے اپنا قبضہ جمانے کی کوشش کی لیکن خلیج فارس میں کامیاب نہ ہو سکی۔
آخر کار متعدد لڑائیوں کے بعد حکومت مسقط کمزور ہو گئی۔ حکومت برطانیہ
نے اس کمزوری سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے داخلی معاملات میں دخل
دینا شروع کر دیا۔ تاکہ مسقط پر تسلط ہو جائے۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء کو ایک معاہدہ
حکومت مسقط نے انگریزوں کے ساتھ طے کر لیا۔ جسکا مقصد زمانۂ حاضرہ تک
تمام اختیارات پر قبضہ قائم رکھنے کا پیش خیمہ ہے۔

۱۳۳۱ھ میں سلطان فیصل بن ترکی نے ایک جدید معاہدہ انگریزوں کے
ساتھ کر لیا جس کی وجہ سے وہ انگریزوں کے زیر اثر رہنے کا سختی سے پابند ہو گیا
اور یہ بھی طے کیا کہ سلطان مسقط کسی غیر ملکی حکومت کو اپنے ملک میں کسی طرح کا
اختیار نہ دے سکے گا۔ تاوقتیکہ حکومت انگریزی سے صلاح و مشورہ نہ کرلے۔
جب اس معاہدہ کی خبر ملک میں مشہور ہوئی تو ۱۳۳۱ھ کے اواخر میں اہل ملک نے
سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ باغی شاہی افواج پر غالب ہو گئے۔
اور اہل ملک نے اپنے اقتدار سے اپنی حکومت قائم کر دی پھر ۱۳۳۸ھ میں
ایک کانفرنس اہل ملک نے منعقد کی۔ جس میں ملک کے نمائندے اور سلطان
کے نمائندے جمع ہوئے۔ اور یہ طے پایا کہ جانبین کو کسی طرح کا حق نہیں ہے
کہ ایک دوسرے کے مفاد میں مزاحمت کریں۔

۱۳۳۱ھ میں عمان کی حکومت نے جس شخص کے ہاتھ پر سب سے پہلے
بیعت کی۔ ان کا نام امام سالم بن راشد الخروصی تھا۔ پھر اس امام کو ایک عرب
نے قتل کیا۔ جس کا نام سطین تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام نے ۱۳۳۸

ں ایک حکم عرب کے خلاف صادر کیا تھا۔ اس امام کے قتل کے بعد اہل عمّان نے امام محمد بن عبداللہ الخلیلی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جو آج تک وہاں امام ہیں۔

عمّان کی حکومت اسلامی شریعت کے مطابق ہے اور خلفائے راشدین کی پیروی کرتی ہے۔ یہاں ارباب حل وعقد کا اس وقت اجتماع ہوتا ہے۔ جبکہ موجودہ امام فوت ہو جائے۔ اور نئے امام کا انتخاب عمل میں آئے۔ تو پھر رائے لیجاتی ہے جسکے حق میں رائیں زیادہ ہوں وہ امام قرار پاتا ہے۔ اور اسی کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے۔ ولی عہد کا رواج ان کے یہاں ناقابل عمل ہیں۔

عمان ومسقط کے درمیان کوئی حد فاصل قائم نہیں ہے۔ صرف اندازاً ایک حد فاصل قرار دیا گیا ہے۔ اندرون ملک میں حکومت عمّان کام کرتی ہے۔ اور ساحلی حدود پر جس کا رقبہ چار سو کیلومیٹر ہے حکومت مسقط کا اقتدار ہے۔

مسقط وعمان کا نظام حکومت

عمان کا نظام حکومت اسلامی اور کامل طور پر خود مختار ہے۔ حکومت کے یہاں منتخبہ علماء ہیں۔ جو اندرون ملک میں معاملات کو شریعت غرائے پہلو سے سلجھانے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

مسقط کا نظام حکومت مدنی ہے۔ یہاں کی حکومت وزارت کے زیر اقتدار ہے وزارت کا ایک رئیس ہوتا ہے جو سلطان کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اور یہ رئیس وزارت کے عہدے کے علاوہ وزارت داخلیہ وخارجیہ کی خدمت بھی سرانجام دیتا ہے۔ وزارت مالیہ کا وزیر ایک انگریز ہے۔ جو یہاں پر اپنے اثر واقتدار کے لحاظ ہر طرح ممتاز ہے۔

مسقط کو اس لئے بھی شرف ہے کہ یہاں امریکن، فرانسیسی، اور انگریزی قونصل خانے ہیں۔ جو خلیج فارس کی دیگر ریاستوں میں نہیں۔

کویت

جغرافیائی اور تاریخی حالات

خلیج فارس میں انگریزوں کے زیر اثر یہ ایک چھوٹی عربی حکومت ہے جو علاقہ عراق اور نجد کے درمیان ہے پایۂ تخت کویت ہے۔ خلیج فارس کے اندر صرف یہی ایک ایسی حکومت ہے جو مدارج ترقی سے شناسا ہے۔ یہاں کی تجارت زیادہ تر موتیوں کی ہے۔ اہل کویت غواصی میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور سمندر کی تہ سے صدف نکال لاتے ہیں۔ آبادی ۱۲۰۰۰ عربی النسل باشندوں کی ہے۔ جو امام مالک علیہ الرحمۃ کے پیرو ہیں سلسلہ نسب قبیلہ مُطیر سے ملتا ہے۔ یہاں ۴۰۰۰ ہزار زنجی اور ایک ہزار ایرانی بھی رہتے ہیں۔ موتیوں کی برآمد کے دوران میں ہندوستانی و یہودی تاجر بھی پہنچ جاتے ہیں۔ ملحقہ دیہات کی آبادی چالیس ہزار نفوس کی ہے۔ جو اصل آبادی کے علاوہ ہے۔ مشہور شہر آلوبَرہ۔ ابضیحہ۔ اور ام الردس وغیرہ ہیں۔

یہاں کوئی منظم سپاہ نہیں۔ صرف بلدیہ کی پولیس ہے۔ جو داخلی امن کی محافظت کرتی ہے۔ ضرورت کے وقت یہاں کے باشندے ملکی خدمات کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

مملكة كويت

فخامة شيخ احمد آلجابر الصباح

موجودہ حکمراں شیخ احمد الجابر آلِ صباح ہیں۔ ان کی تصویر زیب قرطاس ہے۔

شیخ احمد الجابر آل صباح کی پیدائش و تربیت یہ ۱۸۸۰ء کو شاہی محل کویت میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد کی زیر نگرانی عربی تعلیم حاصل کی اور دینیات وادبیات میں مہارت رکھتے ہیں۔

کیسے تخت نشیں ہوا ۱۳۳۹ہجری کو جب ان کو اپنے چچا کے لڑکے شیخ سالم کی وفات کا علم ہوا تو انہوں نے تخت حکومت پر خود قبضہ جما لیا۔ خاندان الصباح کے ننانویں پادشاہ ہیں۔ اس حکومت کا بانی شیخ عبداللہ الصباح تھا۔ جس نے ۱۷۵۴ء میں کویت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسکے بعد اسکا لڑکا جابر تخت پر بیٹھا۔ صباح۔ عبداللہ۔ محمد۔ مبارک۔ جابر ثانی۔ سالم موجودہ حکمراں شیخ احمد بن جابر ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب قبیلہ ربیعہ سے ملتا ہے۔ اور جدّ اعلیٰ صباح ہے۔ ان کے بزرگ اٹھارہویں صدی میں کویت آئے۔ اس وقت کویت ایک معمولی گاؤں تھا۔ جگہ جگہ معمولی جھونپڑیاں تھیں۔ بنی خالد کا قبیلہ ان میں رہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی اسی جگہ بود و باش اختیار کر لی۔ اور ملک کی سود و بہبود میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اسی خاندان کے ایک شخص مسمّی شیخ عبداللہ نے اپنے اقتدار کے باعث پادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور باشندوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اسی زمانہ سے کویت کو عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔

کویت پر انگریزوں کا قبضہ کیسے ہوا جغرافیائی حیثیت کے

اعتبار سے، یہ ملک عراق و نجد کی طرح کویت بھی حکومت عثمانیہ کے ماتحت تھا۔ مگر اہل کویت اندرونی معاملات میں خود مختار تھا۔ ایک حادثۂ عظیم ۱۹۱۲ء میں واقع ہوا جس کی وجہ سے کویت انگریزوں کے قبضہ میں آگیا اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

شیخ مبارک اور اس کے لڑکے کو جنکا تعلق الصباح خاندان سے ہے یہ سوجھی کہ موجودہ شیخ کویت مسمیٰ عبداللہ اور اسکے بھائی جرّاح کو قتل کر کے تخت کو قبضہ میں لے لینا چاہیئے۔ چنانچہ شیخ مبارک اور اس کا لڑکا اس مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ ادھر انہوں نے کسی نہ کسی طرح دونوں کو قتل کر کے تخت پر قبضہ جما لیا۔ جب ملک کے باشندوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ان کے برخلاف ایک زبردست شورش برپا کردی۔ مقتولین کے لڑکے بصرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ تاکہ حکومت عثمانیہ کو اس واقعہ سے آگاہ کر کے اپنے لئے امداد طلب کی جائے اور اپنے چچا سے جس نے تخت پر قبضہ جما لیا ہے انتقام لیا جائے۔ چنانچہ حکومت عثمانیہ نے ایک جہاز لشکر سے آراستہ کر کے ان کی امداد کے لئے کویت روانہ کیا اور شیخ مبارک کو حکم دیا کہ کویت کا تخت چھوڑ کر تو استنبول چلے آؤ یا کسی دوسرے ملک کو چلے جاؤ۔ اور حکومت عثمانیہ سے باقاعدہ وظیفہ لیتے رہو۔ اسی دوران میں شیخ مبارک نے اپنی مدد کے لئے انگریزی سفیر متعینہ بوشہر کو امداد کے لئے ایک خط روانہ کیا۔ اور لکھا کہ میری مدد کرو۔ میں تمہارے ماتحت رہوں گا۔ چنانچہ انگریزی سفیر نے ایک بڑا جنگی جہاز لشکر سے آراستہ کر کے شیخ مبارک کی امداد کے لئے کویت روانہ کردیا

س نے ٹرکی جنگی جہاز کو، کویت میں داخل نہ ہونے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی کشمکش
یں کویت کا علاقہ انگریزوں اور سلطان مبارک کے درمیان ایک معاہدہ
فاداری کا طے پا گیا جیسا دیگر خلیج فارس کی اسلامی ریاستوں اور لحج و
حضرموت وغیرہ اور انگریزوں کے مابین ہے۔ اہم شرائط یہ ہیں کہ حکومت
کویت کسی غیر ملکی سلطنت کو ماسوائے حکومت برطانیہ کے اپنے ملک میں
دخل نہ دینے دے گی۔ نہ کسی سے کوئی بات چیت کسی معاملہ پر کرے گی۔
اور انگریزی حکومت سمندر کی جانب سے حکومت کویت کی غیر دول سے محافظ و
نگراں رہے گی۔

۲۹۔ جون ۱۹۱۳ء کو حکومت عثمانیہ کے ٹرکی سفیر متعینہ لنڈن نے حکومت
برطانیہ سے معاہدہ کیا کہ برطانیہ کے حق میں حکومت عثمانیہ ملک کویت سے
دست بردار ہوتی ہے اور ساتھ ہی ہر وہ علاقہ بھی چھوڑتی ہے جو کہ خلیج
فارس میں واقع ہے۔

کویت کا نظام حکومت

نظام حکومت شرع اسلام ہے۔ امیر تمام احکام
نافذ کرتا ہے۔ اور خود اپنے تسلط سے تمام
امور کی نگرانی کرتا ہے۔ ملک کی آمدنی بحری محصولات پر مبنی ہے یہاں ایک
مجلس شوریٰ بھی ہے جس کے صدر شیخ یعنی امیر کویت خود ہیں۔ اس مجلس کے
اراکین رؤسائے کویت ہوتے ہیں شیخ کی رائے مشورہ کے طور پر لی جاتی ہے۔
ولی عہد کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ امیر کی وفات پر خاندان کے بڑے آدمی کو
حکومت کا امیر بنا دیا جاتا ہے۔

انگریزی سفیر متعینہ کویت مُلکی معاملات میں کوئی دخل نہیں دیتا وہ
طور پر شیخ کے ساتھ معاملات میں بحث کر سکتا ہے۔ لیکن براہ راست کسی معاملہ
دخل نہیں دے سکتا۔

بحرین

جغرافیائی اور تاریخی حالات

بحرین یا جزائر آوال، ایک مجمع الجزائر خلیج فارس میں واقع ہے ان
جزائر کے نام منامہ۔ محرّق۔ رفاع۔ آلحدا اور البدیع، ہیں۔ یہ سب خلیج
فارس کی دیگر اسلامی حکومتوں کی طرح حکومت برطانیہ کے زیر اثر ہیں۔

رقبہ پانسو باون مربع کیلومیٹر ہے۔ آبادی دو لاکھ ہے۔ یہاں عرب
زیادہ تر شیعہ مذہب کے۔ اور زراعت پیشہ ہیں۔ دیگر عرب آبادی سنی المذہب
اور امام مالک کی پیرو ہے تھوڑے سے ایرانی و ہندوستانی شیعہ بھی آباد ہیں۔

یہ جزائر تجارت کے لحاظ سے اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں۔ زیادہ تر موتیوں کی
برآمد ہوتی ہے جو ہندوستان یورپ اور امریکہ کو جاتے ہیں۔ سیاسی پایۂ تخت
محرّق ہے۔ یہاں شیخ کا محل بھی ہے۔ سب سے بڑا جزیرہ منامہ ہے۔ جس
آبادی ....ہے۔ یہ تجارت کے لحاظ بحرین کا دارالحکومت ہے۔ یہاں
کوئی فوجی نظام نہیں ہے صرف ملک کے امن کو برقرار رکھنے کے لئے تھوڑی
پولیس ہے۔ موجودہ امیر شیخ حمد بن علی الخلیفہ ہیں جنکی تصویر زیب قرطاس ہے

مملـكة بحـرين

فخامة شيخ حمد بن عيسى
آل خليفـــه

امیر بحرین شیخ حمد ابن علیی کی پیدائش و تربیت

سنہ ۱۸۸۱ء میں محرق میں پیدا ہوئے۔ اپنے شاہی محل میں عربی کی تعلیم حاصل کی۔ یہ سوائے عربی زبان کے دوسری کوئی زبان نہیں جانتے۔

سنہ ۱۹۲۳ء تک بحرین کا خزانہ وغیرہ شیخ کے قبضہ میں تھا۔لیکن جب انگریزوں نے اپنا اثر ورسوخ برتا تو شیخ کو سب اقتدار سے الگ کرکے صرف دس ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کردیا۔اور اَلخلیفہ خاندان کے لئے اس کا نفاذ برقرار رہنے دیا۔

کیسے تخت نشین ہوئے؟

اَلخلیفہ خاندان کے یہ نویں بادشاہ ہیں۔ پہلے شیخ محمد بن خلیفہ تھے اسکے بعد شیخ خلیفہ۔ شیخ احمد شیخ سلیمان - شیخ عبداللہ - شیخ محمد - شیخ علی - شیخ عیلی کے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے۔شیخ احمد بن عیلی موجودہ امیر ہیں۔

مئی سنہ ۱۹۲۳ء کو برطانوی سفیر متعینہ خلیج فارس کے حکم سے شیخ حمد کو حکمران مقرر کیا گیا وجہ یہ تھی کہ نجدی باشندوں نے ایرانیوں پر اتہام باندھا کہ ہماری گھڑی چوری گئی ہے۔جس کے باعث باہمی لڑائی شروع ہوگئی۔اور دونوں قوموں کے درمیان منافرت قائم ہوگئی۔ اس سازش کو فرو کرنے کے لئے برطانوی سفیر متعینہ خلیج فارس نے دو جنگی جہاز بوشہر سے منگوا کر بحرین کے سامنے کھڑے کردیئے۔اور شیخ عیسیٰ کو طلب کرکے حکم دیا کہ تم بوجہ بڑھاپے کے اپنے آپ کو معزول جانو اور تخت اپنے لڑکے کے حوالے کردو۔شیخ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔سفیر نے جزائر کے رؤسا کو طلب کرکے یہ اعلان کردیا کہ شیخ عیسیٰ کی جگہ اس کے لڑکے حمد کو امیر

مقرر کرتا ہوں۔ رؤسا نے اسے تسلیم کرکے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حالات متغیر ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام اقتدار عملی طور پر برطانوی سفیر کے ہاتھ میں آگیا۔ چار و ناچار شیخ حمد نے بھی سفیر کے ارادوں سے اتفاق کیا۔

بحرین کے تاریخی حالات

بارہویں صدی کے آخر میں شہر زبارہ میں جو بحرین کے قریب ہے کویت کی طرف سے ایک تاجر آیا۔ جس کا نام شیخ محمد بن خلیفہ تھا۔ وہاں کے باشندوں نے اس سے بہت محبت کی کیونکہ یہ بہت سخی، فہیم اور صاحب فراست تھا۔ یہانتک باشندوں نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ پھر ان کا لڑکا شیخ خلیفہ، ان کے بعد شیخ احمد جس کا لقب فاتح قرار پایا تھا۔ کیونکہ اس نے بحرین کے ایرانی گورنر شیخ نصر آل مذکور سے لڑائی کرکے اسے شکست دی تھی۔ اور ۱۷۸۲ء میں بحرین پر خود مختارانہ قبضہ کر لیا تھا۔ پھر یہ تاجر بحرین میں اپنی طرف سے ایک گورنر مقرر کرکے خود زبارہ واپس چلا آیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گیا۔ اس تاجر کا لڑکا سلمان آیا۔ اس وقت سلطان مسقط نے بحرین پر حملہ کر دیا۔ حاکم بحرین نے سلطان کو بہت سمجھایا اور اس ارادہ سے باز رکھا لیکن سلطان مسقط نہ مانا۔ مجبور ہو کر حاکم بحرین نے سلطان نجد سے ایک خط کے ذریعہ امداد طلب کی۔ سلطان نجد نے فوج روانہ کرکے زبارہ اور بحرین کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور جب آل خلیفہ ابن سعود کے عدل سے مایوس ہو گیا۔ تو اپنی فوج منظم کرکے بحرین پر حملہ کر دیا۔ اور سعودیوں کو نکال دیا۔ اسی وقت سے بحرین آل خلیفہ کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔

شیخ سلمان کی وفات کے بعد شیخ عبداللہ نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ان کے بعد شیخ محمد نے پھر خانہ جنگی اور زیادہ کشت وخون کے باعث بحرین انگریزوں کے قبضہ میں چلاگیا۔ برطانوی سفیر متعینہ بوشہر نے جو بھی شرائط شیخ کے سامنے پیش کیے۔ شیخ محمد نے قبول کرلیے۔ اور معاہدہ میں طے پایا۔ کہ انگریز ملک کی حفاظت کرینگے۔ اسی لیئے جنگی بیڑہ ہر وقت بحرین کے سامنے موجود رہتا ہے۔

بحرین کا نظام حکومت

یہاں کا نظام حکومت شرع اسلام ہے۔ اور قانون کا نفاذ شیخ کے ہاتھ میں ہے۔ مئی ۱۹۲۳ء تک یہی نظام رہا۔ اس کے بعد برطانوی سفیر کے ہاتھ میں سب اختیارات چلے گئے۔

بحرین میں تین مجالس ہیں۔ جن میں شیخ اور برطانوی سفیر متفقہ طور پر کام کرتے ہیں خصوصاً اجنبیوں کے معاملات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اجنبی لوگ ایرانی اور عرب مقصود ہوتے ہیں۔ دوسری مجلس کا نام مجلس عرفی ہے۔ اس مجلس کو عرفی اس لیئے کہا جاتا ہے۔ کہ یہ ملک کے باشندوں کی عادات کے لحاظ سے فیصلہ کرتی ہے۔ اس مجلس کے آٹھ اراکین ہوتے ہیں چار کو برطانوی سفیر منتخب کرتا ہے۔ اور چار ع۔بی النسل بحرین کی طرف سے ہوتے ہیں مجلس سوم جس کو بلدی کہا جاتا ہے ۲۰۔ اراکین پر مشتمل ہے۔ اس میں دس بحرین کے باشندے منتخب ہوتے ہیں۔ دس کو شیخ منتخب کرتا ہے۔ یہ مجلس ملکی مسائل کو حل کرتی ہے۔

پولیس عدالتی کام سرانجام دیتی اور ملکی امن وامان قائم رکھتی ہے۔ جسکی

تعداد صرف پچاس ہے۔ ایک لیوی فوج بھی ہے۔ جس کی تعداد ایک سو بچاس ہے۔ یہ برطانوی کمانڈار کے زیر اثر ہے۔ اور سفیر برطانیہ کے احکام کی پابندی رہتی ہے

ریاست بہاولپور

جغرافیائی اور تاریخی حالات

حدُود اربعہ۔ بہاولپور پنجاب کے جنوب میں ایک عظیم الشان اسلامی ریاست ہے۔ اضلاع فیروز پور، منٹگمری، ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان جنوبی جانب واقع ہیں۔ ریاست بیکانیر جیسلمیر شمالی اور مغربی سمت میں ہیں۔ سکھر شمال میں واقع ہوا ہے۔ دریائے گھارا جو مظفر گڑھ کے قریب دریائے جہلم اور ڈیرہ غازی خان کے قریب دریائے سندھ میں بلجاتا ہے۔ اس ریاست کے شمال کی طرف بہتا ہوا چلا گیا ہے۔

رقبہ بارہ ہزار مربع میل ہے۔ سالانہ آمدنی پچاس لاکھ کے قریب ہے مغربی حصّہ ریگستان ہے۔ مگر حکومت بہاولپور اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ انہار کا سلسلہ ملک میں جاری کر کے آبادی اور آمدنی کو وسعت دی جائے

آبادی ۱۹۱۰ء نفوس پر مشتمل ہے۔ جن میں سات لاکھ مسلمان ہیں۔ اور باقی ہندو سکھ، عیسائی اور دیگر اقوام کے افراد بھی قدرے پائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے شہر یہ ہیں۔ بہاولپور، جو دارالخلافہ ہے۔ بہاول نگر۔ رحیم یار خان۔ گڑھی اختیار خان۔ خیر پور۔ کوٹ سبزل۔ مبارک پور۔ احمد پور شرقیہ۔ اوچ شریف اور [illegible] وغیرہ۔

مملکت بہاول پور

نواب سر حاجی
محمد صادق خان صاحب

نظامِ حکومت ریاست بہاولپور چند اضلاع پر منقسم ہے۔ ہر ضلع میں تین تحصیل ہیں۔ ہر ایک تحصیل میں تحصیلدار، جوڈیشل افسر، منصف، مجسٹریٹ، اور محکمہ نہر کا سب ڈویژنل افسر رہتا ہے۔ ہر ایک ضلع میں افسر مال، جوڈیشل کا افسر اعلیٰ، ڈسٹرکٹ جج و مجسٹریٹ ضلع اور محکمہ انہار کا انسپکٹر رہتا ہے۔ سب اضلاع کے حکام اعلیٰ کا تعلق دار الخلافہ کے حکام اعلیٰ سے ہے۔ باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ اور اسی پر بسر اوقات کرتے ہیں۔

نواب سر حاجی محمد صادق خان صاحب کی پیدائش و تربیت

۱۸۔ رجب ۱۳۲۲ھ مطابق ۴۔ ستمبر ۱۹۰۴ء کو بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ اور ۸۔ مارچ ۱۹۲۴ء مطابق یکم شعبان ۱۳۴۲ھ کو تخت نشین ہوئے۔

نواب محمد بہاول خان عباسی خامس کی وفات کے وقت موجودہ فرمانروا دو سال چند ماہ کی عمر کے تھے۔ اور اپنے والد ماجد کے ہمراہ سفر حج میں شریک تھے۔

۱۵۔ مئی ۱۹۰۷ء کو بمقام ڈیرہ مبارک دستار بندی کی رسم ادا ہوئی۔ اور ایک عالیشان دربار میں افسران ریاست و دیگر حکام نے آپ کو اپنے والد مرحوم کا جانشین قرار دیکر دستار بندی کی رسم کو طے کیا۔

اگست ۱۹۰۷ء میں ریاست کا نظام قائم رکھنے اور کمسن نواب کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ انتظام کرنے کے لئے ایک کونسل آف ریجنسی مقرر کی۔ اس کونسل میں ریاست کے پرانے جاں نثار عہدہ داروں کو منتخب کیا گیا۔ ریونیو اور محکمہ انہار کے نظام کے لئے حکومت پنجاب کے قابل اور معزز افسر کو

مستعار لیا گیا۔ اور انہوں نے اپنی خدمات بوجہ احسن سرانجام دیں۔

کونسل آف ریجنسی نے ہز ہائینس کی صحت اور تربیت و تعلیم کا بہترین انتظام کیا۔ ۲۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء کو نواب صاحب کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ چنانچہ نواب صاحب نہایت شوق سے حصولِ علم میں مشغول ہو گئے۔

دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء کو نواب صاحب اپنی ہفت سالہ عمر میں دہلی کے مشہور عالم کارونیشن دربار میں شریک ہوئے۔ اور اپنی وضعدار و بانکی وردی کے شان و شوکت سے جلوس اور ریویو میں شریک ہو کر شہنشاہ معظم کی دلی خوشنودی کا باعث ہوئے۔ ان کی خورد سالی بھی اپنے لشکر کی کمان، اتنی جاذبیت اپنے اندر رکھتی تھی۔ اور اتنا دلفریب منظر لئے ہوئے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک خورد سال شجاع عباسی فرمانروا، اپنی ساری فوج کی کمان اس صولت و شوکت سے کر رہا ہے کہ عباسی شان و شوکت کو روئے زمین کے اولوالعزم فرمانرواؤں کے روبرو زندہ کر کے دکھا دیا ہے۔ حضور شہنشاہ معظم نے اس خورد سال نواب کو اپنے دست مبارک سے ایک طلائی تمغہ مرحمت فرمایا۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں نواب صاحب اپنے رفیق ایٹکنس کے ساتھ انگلستان تشریف لے گئے۔ اور دس ماہ کے بعد پھر مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ یورپ سے واپسی پر آپ کی تعلیم کو زیادہ وسعت دی گئی۔ مسٹر اے۔ ایم ایٹکنس اور مولوی [illegible] صاحب اتالیق مقرر ہوئے۔ پھر آپ کو ایچی سن کالج میں داخل کر دیا گیا۔ اور آپ نے وہاں تعلیم حاصل کی۔ جہاں پر آپ نے سنہ ۱۹۲۱ء تک نہایت محنت و جفاکشی سے طالبعلمانہ زندگی بسر فرما کر [illegible]

کی۔ اور جون ۱۹۲۱ء کو کالج کی تعلیم ختم کر کے اپنی ریاست کی عنانِ حکومت سنبھالنے کے لئے اپنے ملک کی باقاعدہ سیاحت کی۔ اور افواج وغیرہ کے نظام کو دیکھتے ہوئے۔ خود بھی اس میں دسترس حاصل کرتے رہے۔ نواب صاحب کی اولوالعزمی کا مشاہدہ کرتے ہوئے حکومت برطانیہ نے آپ کو ۱۹۲۱ء میں آنریری لفٹننٹ کا اعزاز عطا فرمایا۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں نواب صاحب ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز کے ایڈیکانگ بنائے گئے۔ اور اس ذمہ دارانہ عہدہ کو نہایت کامیابی سے سرانجام دیکر خطاب کے۔ سی۔ وی۔ او۔ حاصل فرمایا۔

ستمبر ۱۹۲۲ء میں حکومت عالیہ نے نواب صاحب کی انتظامی دلچسپی کو قابل اطمینان قرار دیتے ہوئے عملی طور پر نظام ریاست ان کے سپرد فرما دیئے۔ پھر آپ نے عملی طور پر سب حکومت اپنے نظم و نسق سے چلانی شروع کی شہنشاہ معظم نے آپ کو خطابات رائل وکٹورین آرڈر، نائب کمانڈر برٹش آرمی کے آنریر لفٹننٹ سے کیپٹن ہوئے تھے۔

۱۵۔ شعبان ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۲۔ مارچ ۱۹۲۲ء کو انگلستان روانہ ہوئے۔ اور حضور شہنشاہ معظم و پرنس آف ویلز سے ملاقات کر کے دو ماہ یورپ کی سیاحت کی۔

تاریخ ریاست بہاولپور خلفائے عباسیہ نے اس ریاست بنیاد رکھی تھی۔ اور وہی آج تک حکمراں چلی آرہی ہے۔ دنیا جانتی ہے۔ کہ اسلامی فتوحات کا سلسلہ نہایت شاندار اور کامیاب تھا۔ جن میں سے خلفائے عباسیہ کا دور تاریخ عالم میں آب زریں سے لکھا ہوا ہے۔

عباسی تمدن، علم دوستی، عدل و انصاف، شان و شوکت، جاہ و جلال بڑھتی ہوئی ترقی کے مدارج، رہتی دنیا تک نقش کا لجحر رہیں گے۔

پیغمبر اسلام صلعم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے یہ خاندان عباسی کہلاتا ہے۔ بغداد اسی خاندان کا اوّلین پایۂ تخت تھا۔ دوسری صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری تک جس جاہ و جلال سے اس خاندان نے اسلام کے جہاز کو فضائے عالم میں چلایا بچہ بچہ اس کا آج تک اعتراف کر رہا ہے۔

سلطنت کو انقلاب کے لئے جن وسائل کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ آخر کار وہ اسباب دور عباسیہ کے لئے بھی فراہم ہو گئے۔ وہ عظیم الشان سلطنت جس کو ہارون رشید جیسا بیدار مغز اور روشن خیال حاکم سنبھالے ہوئے تھا۔ اور ان ایسے جانباز، اور مستعد وزرا کی شبانہ روز محنت و کامیابی ہر حال میں ممد و معاون تھی۔ ایسے خلفا کے لئے جن کے عہد میں اُمرا خود غرض، عمّال راشی اور کمزور اور بیرونی اشخاص غلامان ترکی طاقتور اور با اثر ہوں۔ تو اتنی وسیع سلطنت کا سنبھالنا دشوار تھا۔

ساتویں صدی ہجری کے وسط میں حکومت عباسیہ کے نظام سلطنت قحط الرجال کی وجہ سے انحطاط و کمزوری کا اس قدر غلبہ ہوا کہ خلیفہ ابو عبداللہ المعتصم باللہ عباسی جو خاندان عباسیہ کا سینتیسواں خلیفہ تھا تخت حکومت بغداد کا فرمانروا سمجھا جاتا تھا۔ تاتاری فتنہ کے سلطنت عباسیہ کا چراغ بغداد میں گل ہو رہا تھا کہ خلیفہ

بغداد چھوڑ کر مصر پہنچا۔ مصر میں اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔

اسی خاندان میں سے مزید سو سال کے بعد خلیفہ سلطان احمد ثانی وہ مشہور اور باہمت خلیفہ ہوا ہے جو ہندوستان آیا۔ اور سرزمین ہندوستان میں جہاں اس وقت ریاست بہاولپور آباد ہے۔ خاندان عباسیہ کی یادگار قائم کرنیکی بنیاد رکھی۔

امیر سلطان احمد ثانی ۶۹۳ھ میں سندھ آیا۔ اور اسی جگہ مقیم ہو گیا۔ عرب مسلمان جو پہلے ہی اس جگہ سکونت پذیر تھے۔ انہوں نے عباسی خاندان کی اس یادگار شخصیت کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چنانچہ عباسی حکومت کا سنگ بنیاد سندھ کی زمین میں رکھدیا گیا۔ امیر سلطان احمد ثانی کی بیسویں پشت میں سے برح خان (فیروز خان) امیر علاقہ ہوا۔ جسکے نام کی مناسبت سے عباسی خاندان کے اس قبیلہ کو پر جانے لگے۔

۱۱۴۰ھ مطابق ۱۷۲۷ء فیروز خان کی چوتھی پشت میں سے صادق محمد خان اوّل حاکم ملک ہوا۔ اسی نوابنے جلوس کے دوسرے سال سرکار ملتان سے علاقہ چودھری بطور جاگیر حاصل کیا۔ اور ۱۱۴۲ھ میں چودھری سے تین میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ آباد کر کے اسکا نام اللہ آباد رکھا۔ یہی نواب ریاست کے پہلے نواب ہیں۔ پھر بہاول خان اول، نواب محمد مبارک خان پھر محمد بہاول خان ثانی پھر نواب صادق محمد خان ثانی پھر رحیم یار خان عرف بہاول خان ثالث جنکے عہد میں حکومت بہاولپور اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مابین دوستانہ معاہدہ طے پایا۔ پھر نواب سعادت یار خان پھر نواب حاجی خان پھر نواب رحیم خان پھر نواب صادق محمد خان پھر نواب محمد بہاول خان خامس پھر نواب

حاجی سر محمد صادق خان صاحب بہادر جو موجودہ ریاست کے حکمراں ہیں۔

نواب سر حاجی محمد صادق خان صاحب فرمانروائے بہاول پور کی عہد حکومت

ابھی تک ریاست بہاول پور پرانے طریقہ فرمانروائی کی حامل تھی۔ موجودہ فرمانروائے ریاست بہاول پور نواب سر حاجی محمد صادق خان صاحب نے عنانِ حکومت کو ہاتھ میں لیتے ہی ملک میں رعایا کی بہتری و آسودگی کے لئے بہت سی اصلاحات رائج کیں۔ اُن طریقہائے کار پر عامل ہوئے جن سے ملک کو بہترین فوائد حاصل ہوئے۔ مثلاً زراعت کے لئے ملک میں نہریں جاری کیں۔ تعلیمی حالت کو سدھارنے کے لئے اسکول و کالج کھولے گئے۔ رعایا کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے تفریح گاہیں اور ہسپتال تعمیر کئے۔ ان سب کے علاوہ ملک کی بہتری اور حفاظت کے لئے فوج اور پولیس کو جدید طریقہ پر منظم کیا۔

نواب صاحب ممدوح بہت ہی علم دوست۔ غریب پرور اور باکمال ہستی ہیں آپ کی نظر میں غریب و امیر۔ ہندو اور مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں۔ آپ سے مل لینے کے بعد ایک بار ضرور دل میں عہد عباسیہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

تمام شد